سلسلہ
مواعظ حسنہ
نمبر ۸۰

آدابِ محبت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس
مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال کراچی پاکستان

﴿ ضروری تفصیل ﴾

نامِ وعظ: آدابِ محبت

نامِ واعظ: عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب
دام ظلالهم علینا الی مأة و عشرین سنة

تاریخِ وعظ: ۱۹؍صفر المظفر ۱۴۰۷ھ، ۲۴؍اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز جمعہ

وقت: ساڑھے دس بجے صبح

مقام: مسجدِ اشرف، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

موضوع: اللہ والوں سے محبت کے آداب

مرتب: یکے از خدام حضرت والا مدظلہم العالی (سید عشرت جمیل میرؔ صاحب)

کمپوزنگ: مفتی محمد عاصم صاحب مقیم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، کراچی

اشاعت اوّل: جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ مطابق مئی ۲۰۰۹ء

تعداد: ۲۲۰۰

باہتمام: ابراھیم برادران سلمہم الرحمٰن
کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال نمبر ۲، کراچی

فہرست

عرضِ مرتب

آج اُمتِ مسلمہ کے ظاہری و باطنی زوال کا باعث گناہوں کا ارتکاب ہے جس کا اصل سبب اہل اللہ کی بابرکت صحبتوں سے دوری ہے کیونکہ دین کی سمجھ صرف اللہ والوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے ورنہ عوام تو کیا خواص اہلِ علم بھی دین کی حقیقت سے آشنا نہیں ہوتے۔

محبی و محبوبی، سیدی و سندی، مرشدی و مولائی شیخ العرب و العجم، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کا قرآن و حدیث سے مدلل یہ وعظ جہاں اہل اللہ سے تعلق کی اہمیت وضرورت کو بیان کرتا ہے وہیں اس عظیم تعلق کی حدود و قیود اور آداب کی حد بندی کو بھی واضح کرتا ہے اور گویا اس شعر کی تفسیر ہے ؎

بر کفِ جامِ شریعت بر کفِ سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

اللہ تعالیٰ راقم الحروف کو اور تمام امت کو حضرت والا کے علوم اور دردِ محبت کی صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت والا کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے، آمین۔

العارض
احقر سید عشرت جمیل میرؔ عفا اللہ تعالیٰ عنہ
خادمِ خاص
شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم
خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آدابِ محبت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

رِیا (دکھاوا) کسے کہتے ہیں؟

کوئی شخص نفل پڑھ رہا ہے، تلاوت کر رہا ہے، تسبیح پڑھ رہا ہے اور اسے ساری دنیا دیکھ لے تو یہ رِیا نہیں ہے کیونکہ رِیا اُسے کہتے ہیں کہ جب کوئی بندہ اپنے مالک سے نظر ہٹا کر غلاموں کو اپنا عمل دِکھا رہا ہو لیکن ایک غلام اپنے مالک کو خوش کرنے کے لیے کوئی عمل کر رہا ہے اور اس کو سارے غلاموں نے دیکھ لیا تو دیکھنے سے ریا نہیں ہوتی دِکھانے سے ہوتی ہے، کسی شخص کی نیت دِکھانے کی نہ ہو لیکن پھر بھی کسی نے دیکھ لیا تو یہ رِیا نہیں ہے، معلوم ہوا کہ ایک ہے دِکھانا اور ایک ہے دیکھنا، رِیا جب ہے جب دِکھانے کی نیت ہو اور بعض وقت میں تو رِیا کا محض وسوسہ ہوتا ہے رِیا نہیں ہوتی جیسے مکھی آئینے کے اوپر ہوتی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اندر گھسی ہوئی ہے۔

یہ مثال حکیم الامت مجدد الملت نے دی ہے کہ کسی شیشے پر ایک مکھی بیٹھی ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اندر بیٹھی ہوئی ہے حالانکہ وہ باہر ہوتی ہے تو شیطان کبھی باہر باہر سے وسوسہ ڈالتا ہے حالانکہ قلب کے اندر اخلاص ہوتا ہے مگر دل چونکہ اللہ اللہ کرنے کی برکت سے شیشہ کی طرح صاف ہوگیا ہے اس

لیے معلوم ہوتا ہے کہ رِیا اندر ہے۔ اسی لیے بعض نادان لوگوں نے خوفِ رِیا سے عبادت چھوڑ دی، دیکھا کہ آج دو چار مہمان آگئے تو اشراق وتلاوت چھوڑ دی کہ مہمان دیکھ لیں گے، اب تہجد بھی نہیں پڑھ رہے ہیں، ذکر بھی چھوڑ دیا، تلاوت بھی چھوڑ دی کہ آج تو مہمان آئے ہوئے ہیں یہ سب دیکھ لیں گے۔ تو دیکھنے کو رِیا سمجھنے کی وجہ سے بعض نادان، کم عقل، دین کی سمجھ نہ رکھنے والے یا دین کی فہم اللہ والوں سے، اللہ تعالیٰ کے مقبول، محبوب اور خاص بندوں کی صحبت سے نہ حاصل کرنے والے ایسے وقت میں رِیا کے خوف سے عبادت چھوڑ دیتے ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو سید الطائفہ ہیں ہمارے بزرگوں کے بزرگ ہیں ہمارے دادا پیر بلکہ پردادا ہیں فرماتے ہیں کہ جس طرح مخلوق کو دِکھانے کے لیے کوئی عمل کرنا رِیا ہے اسی طرح مخلوق کے خوف کی وجہ سے کہ لوگ دیکھ نہ لیں کسی عمل کو چھوڑ دینا بھی رِیا ہے۔ ایک شخص روزانہ اشراق پڑھتا ہے مگر کسی دن دیکھا کہ آج مسجد میں دو چار آدمی ہیں، تنہائی نہیں ملی یا کوئی رشتہ دار آگیا تو رِیا کے خوف سے اشراق چھوڑنا بھی رِیا ہے، جیسے دِکھلانے کے لیے عمل کرنا ریا ہے ایسے ہی مخلوق کے لیے عمل چھوڑنا بھی ریا ہے، مخلوق کو عمل دِکھایا یہ بھی ریا ہے اور مخلوق کے خوف سے عمل چھوڑا یہ بھی ریا ہے، مخلوق کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا بھی ریا ہے اور مخلوق کے خوف سے کسی عمل کا ترک بھی ریا ہے کیونکہ ریا کا تعلق قلب کی نیت سے ہے، ریا خود بخود نہیں چپکتی، یہ کوئی ایسا کھٹمل نہیں ہے جو خاموشی سے خون چوس رہا ہے اور آپ کو پتا بھی نہ چلے، مطلب یہ ہوا کہ دل میں نیت کر لیجیے کہ اے اللہ! صرف آپ کے لیے عمل کر رہا ہوں کیونکہ اگر ساری مخلوق خوش ہو جائے تو ہم کو ایک ذرّہ فائدہ نہیں دے سکتی، مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اگر ساری مخلوق مل کر کوئی نفع پہنچانا چاہے اور اللہ نہ چاہے تو نہیں پہنچا سکتی، یہ حدیث کا مضمون ہے۔ فرض نماز کے بعد آپ اکثر یہ

دعا مانگا کرتے تھے، ھدایہ کی شرح فتح القدیر کی کتاب الصلوۃ میں علامہ ابن ھمام نے لکھا ہے کہ نماز کے بعد آپ اکثر یہ دعا مانگتے تھے:

﴿اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلاَمُ وَمِنْکَ السَّلاَمُ تَبَارَکْتَ یَا ذَالْجَلاَلِ وَالْاِکْرَامِ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الصلوٰۃ، باب مایقول اذا اسلم من الصلوٰۃ)

یا یہ دعا مانگتے تھے:

﴿اَللّٰھُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلاَ مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ﴾

(مجمعُ الزوائد)

اے اللہ! جو نعمت آپ دینا چاہیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جو آپ نعمت آپ ہم کو نہ دینا چاہیں ساری دنیا مل کر اسے دینا چاہے تو نہیں دے سکتی، اگر اللہ نہ چاہے کہ یہ آدمی خوش حال ہو یا اس کے پاس دو پیسے ہوں یا اس کے کاروبار میں برکت ہو تو دنیا بھر کے تمام سیٹھ مل کر اس کو پیسہ دیں تو جتنی دفعہ دیں گے خسارہ آتا چلا جائے گا یہاں تک کہ دینے والا بھی تنگ ہو جائے گا اور آخر کار تھک ہار کر بیٹھ جائے گا کہ بھئی اس کے ہاتھ میں تو برکت ہی نہیں ہے، یہ تو سونا بھی لیتا ہے تو مٹی ہو جاتا ہے اور جب اللہ کا فضل ہوتا ہے تو مٹی اُٹھاتا ہے تو سونا بن جاتا ہے۔

میرے ایک دوست تھے جو بڑے رئیس تھے، میرے پیر بھائی بھی تھے، کہنے لگے کہ ایک غریب کو میں نے تین دفعہ دس دس ہزار روپے دیئے کہ کوئی دکان کھول لے، پہلے زمانہ کا دس ہزار آج کے پچاس ہزار کے برابر تھا، تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے بار بار مدد مانگتے ہو اور مجھے پریشان کرتے ہو اس سے اچھا ہے کہ یہ لو دس ہزار روپے اور دکان کھول لو تاکہ میں تمہاری مدد سے چھٹی پا جاؤں، چند مہینوں کے بعد اس نے کہا کہ صاحب وہ رقم تو ڈوب گئی، برکت ہی نہیں ہوئی، تجارت فیل ہو گئی، پھر دس ہزار دیئے کہ شاید اب سنبھل جائے، غرض

تین دفعہ دس دس ہزار روپے دیئے، جب تینوں دفعہ اس نے کہا کہ تجارت ڈوب گئی خسارہ ہو گیا تب انہوں نے مجھ سے کہا کہ خدا جس کے لیے رزق کی برکت کا فیصلہ نہ کرے اور دنیا بھر چاہے کہ وہ بابرکت روزی کا مالک ہو جائے اور اس کی روزی میں وسعت و کشادگی ہو جائے تو یہ بندوں کے اختیار میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے سب اپنے اختیار میں رکھا ہے۔

ایک مرتبہ ڈھاکہ سے ایک خط آیا کہ ایک سانپ نکلا اور چاروں طرف پکی زمین، پکی دیوار تھی، پھر وہ اچانک غائب ہو گیا، کوئی سوراخ بھی نہیں ملا جس میں وہ گھس جاتا، اس کے بعد سے میری دکان میں برکت نہیں رہی جو روپیہ پیسہ کماتا ہوں تو حساب کے رجسٹر میں تو برکت معلوم ہوتی ہے لیکن جب گنتا ہوں تو کچھ برکت معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے ان کو خط میں لکھا کہ میں نے تو قرآن پاک میں یہ پڑھا ہے اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اللہ جس کی روزی چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں اور جس کی چاہتے ہیں کم کر دیتے ہیں لیکن آپ کے اس خط سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے روزی کے گھٹانے بڑھانے کا اختیار سانپوں کے حوالے کر دیا، بس انہوں نے روتے ہوئے پھر خط لکھا کہ معافی چاہتا ہوں، آپ نے عقیدہ صحیح کر دیا۔

سنت اور بدعت کی مثال

تو اصل تو عقیدے کی اصلاح ہے ورنہ عمل میں جان نہیں آئے گی، جیسے ایک کے دائیں طرف صفر رکھو تو دس بنتا ہے، ایک صفر اور بڑھایا تو سو بنتا ہے لیکن اگر ایک نہ ہو اور صفر رکھتے چلے جاؤ تو سب صفر ہو گا، اسی لیے قیامت کے دن کافروں کے عمل میں وزن نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَزْنًا﴾

(سورۃ الکھف، آیۃ: ۱۰۵)

کافر چاہے کتنے ہی آنکھوں کے ہسپتال کھول دیں، اپنی آنکھیں نکال کر دے دیں کہ یہ آنکھ لگا لینا اور غریبوں میں خوب رضائیاں اور کمبل تقسیم کردیں لیکن سارے کافر جہنم میں جائیں گے جب تک کلمہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** نہیں پڑھیں گے کیونکہ جب ایک ہی نہیں ہے تو سارے صفر بے کار ہوں گے۔ سمجھ لو کلمہ ایک کا ہندسہ ہے اور صفر اعمال ہیں، تو جب کلمہ ہی نہیں پڑھا تو گویا ایک نہیں ہے تو اب سارے صفر یعنی سب اعمال، رفاہی کام وغیرہ غارت ہوگئے، ان کا کوئی وزن ہی نہیں ہے اور کبھی ایک ہوتا ہے لیکن بے وقوف صفر ایک کے دائیں طرف نہیں لگاتا بائیں طرف لگاتا ہے، اگر ایک کے دائیں طرف صفر لگا ہو تو دس بنے گا مگر وہ بائیں طرف لگا رہا ہے تو وہ صفر بھی بے کار گئے، یہ بدعت کی مثال ہے۔ ''ایک'' ایمان کی مثال ہے۔ اگر ایمان کے دائیں طرف صفر رکھو گے تو عدد بنے گا، وزن بنے گا، یہ سنت کے مطابق عمل کا انعام ہے، اس کا وزن ہوگا اور اگر کسی عمل کا قرآن وحدیث میں تذکرہ نہیں ہے، باپ دادا سے رسم لے لی، تو رسم علاقائی، ضلعی، خاندانی، برادری، ملکی اور چاہے بین الاقوامی ہی کیوں نہ ہو سب بے کار ہے مثلاً ایک شخص کسی بین الاقوامی اجلاس میں گیا جہاں تمام ملکوں کے بادشاہ اور سربراہان آئے ہوئے تھے، وہاں سے کوئی طریقہ سیکھ کر آ گیا تو اس عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، عمل تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع سے مقبول ہوگا، ایک کے دائیں طرف کا صفر سنت ہے اور بائیں طرف کا صفر بدعت ہے، اس کا وزن اس لیے نہیں ہوگا کہ اس کا مدینے سے تعلق نہیں ہے، آپ ان اعمال کو کسی حدیث میں نہیں پائیں گے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ حیات میں کہیں نہیں پائیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا نبی امت کے لیے ہر معاملہ میں نمونہ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

(سورةُ الاحزَاب،اٰیة: ۲۱)

بتایئے ! اگر آپ کسی درزی کو اپنے کرتے کا نمونہ دیں کہ اس کے مطابق کرتا بنادو اور درزی ایک بالشت لمبا کردے تو آپ نے کہا کہ نمونے کے مطابق کیوں نہیں سیا؟ اس نے کہا کہ حضور کپڑا اِنچ گیا تھا اگر کرتہ لمبا نہ کرتا تو کپڑا ضائع ہوتا لہٰذا میں نے آپ کے ساتھ بھلائی کی ہے، ایسے ہی بدعتی بھی کہتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ پر اذان کیوں ختم ہے؟ نعوذ باللہ یہ تو ناقص اذان ہے، اس لیے میں اذان کے آخر میں محمد رسول اللہ بھی ملاؤں گا تاکہ کلمہ پورا ہوجائے، بتاؤ بھئی اذان کا آخری کلمہ کیا ہے لا الٰہ الا اللہ۔ مگر ایک آدمی اپنی کھوپڑی سے سوچتا ہے کہ یہ تو پورا کلمہ نہیں ہے، اس کی نظر اس پر نہیں جاتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا حکم ایسے ہی دیا ہے، جن سے ہمیں شریعت کا قانون مل رہا ہے، جن کے نمونے پر ہمیں عبادت کرنی ہے اور جینا مرنا ہے انہوں نے یہی نمونہ دیا ہے لہٰذا یہاں عقل سے کام نہیں چلے گا کہ اذان کے آخر میں لا الٰہ الا اللہ کے بعد کلمہ پورا کرو، بتایئے اس طرح اذان غلط ہوجائے گی یا نہیں؟ جیسے درزی نے خلافِ نمونہ ایک بالشت کرتا بڑھا دیا تھا لہٰذا جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جیسا سکھایا ہے آنکھ بند کرکے اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کرلو، ہاں اذان کے بعد اب درود شریف پڑھو، اذان کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم ہے، اس کے بعد اذان کے بعد والی دعا اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ الخ پڑھ لو، اس کے بعد دیکھو اس کا کیا انعام ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ جو اذان کے کلمات کا جواب دے، اس کے بعد درود شریف پڑھے پھر یہ مذکورہ دعا پڑھے اُس کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہوجاتی ہے۔

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کا عاشقانہ ترجمہ

اب میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کا عاشقانہ ترجمہ کرتا ہوں۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کے معنیٰ ہیں آؤ نماز کی طرف، یہ ترجمہ عربی قاعدے کی رو سے ہے لیکن اس کا ایک ترجمہ عاشقانہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بزبانِ مؤذن اعلان فرما رہے ہیں کہ اے میرے غلامو! جلدی جلدی وضو کر کے تیاری کرلو، تمہارے مالک نے تمہیں یاد فرمایا ہے۔ کہیے دونوں ترجموں میں کچھ فرق سمجھ میں آیا؟ حَیَّ اسمِ فعل ہے بمعنی تعال یعنی آؤ عَلٰی کے معنیٰ ہیں پر، صلوٰۃ کے معنیٰ ہیں نماز یعنی آؤ نماز پر یعنی نماز کی طرف۔ یہ ترجمہ گرامر کا ہے بلحاظ قواعدِ عربیہ لیکن اس کے اندر ایک ترجمہ عاشقانہ چھپا ہوا ہے، بلحاظ قواعدِ عشقیہ کہ اے میرے غلامو! جلدی سے تیاری کرلو، تمہارا مالک جس کی زمین پر تم چل رہے ہو، جس کے آسمان کے نیچے رہتے ہو، جس کے سورج کی روشنی کو بغیر بل ادا کیے ہوئے استعمال میں لاتے ہو، سورج کی روشنی کا کبھی کوئی بل نہیں آتا، جس کی ہر وقت آکسیجن لے رہے ہو، وہ تمہارا مالک تمہیں یاد فرما رہا ہے۔

سائنسی تحقیقات کا بوداپن

کبھی یہ بھی سوچا کہ رات دن جس کی آکسیجن میں سانس لے رہے ہو تو یہ آکسیجن، یہ ہوا کس نے پیدا کی؟ پوچھ لو دنیا کے تمام سائنسدانوں سے کہ یہ سمندر اور پہاڑ کس نے پیدا کیے ہیں؟

میں نے ایک مضمون میں پڑھا کہ ایک سائنس دان نے کہا کہ جب سورج کی شعاعیں خلیج بنگال کے سمندر پر پڑتی ہیں تو اس کی گرمی کے بخارات سے بادل بنتے ہیں جن کو مون سون کہتے ہیں، پھر وہ مون سون ہوائیں بادلوں کو لے کر ہمالیہ پہاڑ سے ٹکرا جاتی ہیں جس کی وجہ سے تمام شمالی ہند ہرا بھرا

ہو جاتا ہے، تو اگر کوہِ ہمالیہ نہ ہوتا تو خلیج بنگال کی مون سون ہوائیں ہندوستان کو پار کر کے سمرقند، آذر بائیجان، تاشقند اور بخارا میں برستیں اور شمالی ہند منگولیا کے مثل ریگستان ہو جاتا، اناج کا ایک دانہ بھی نظر نہ آتا۔ اس سائنسدان کی تحقیق سن کر سب نے کہا کہ واہ واہ کیا سائنسی تحقیق ہے مگر اس سائنسی تحقیقی بورڈ میں ایک ملا بھی بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہ آپ نے اس پر تو واہ واہ کہا کہ خلیج بنگال سے مون سون ہوائیں اٹھیں اور ہمالیہ پہاڑ سے ٹکرائیں اس لیے شمالی ہند ہرا بھرا ہے، اگر شمالی ہند میں یہ دوڈھائی ہزار میل طویل کوہ ہمالیہ کا سلسلہ نہ ہوتا تو خلیج بنگال کے بادل اور مون سون ہوائیں سب جا کر تاشقند میں برستیں لیکن آپ نے یہ کیوں نہیں بتایا کہ خلیج بنگال تمہارے دادا نے پیدا کیا ہے؟ ہمالیہ پہاڑ تمہارے نانا نے پیدا کیا ہے؟ سورج کی شعاعوں سے جو مون سون ہوائیں اٹھیں یہ تمہارے پردادا نے پیدا کی ہیں؟

اب ذرا سائنس دانوں سے پوچھو کہ تم نے یہ بات تو بتا دی جیسے کسی حلوائی کی رس ملائی میں کسی سائنس دان نے اپنا آلہ ڈال کر کہا کہ دیکھئے صاحب میں ریسرچ کر رہا ہوں، اس میں اتنی فیصد ملائی ہے، اتنی فیصد چینی ہے، اتنے فیصد بادام ہیں غرض سب تحقیق کر کے ایک چارٹ لکھ کر بنا دیا، پھر رس ملائی والے مرتبان کو اٹھانے لگا تو حلوائی نے ایک ڈنڈا لگایا اور کہا کہ ریسرچ کرنے سے آپ اس کے مالک نہیں بن سکتے، اسی طرح خدا کی دی ہوئی عقل کے صدقہ میں اگر سائنس داں اللہ کی نعمتوں کی ریسرچ کرتے ہیں کہ ہوا میں اتنی آکسیجن ہے، اتنی کاربن ڈائی آکسائیڈ ہے، اتنی نائٹروجن ہے اور اتنی ہائیڈروجن وغیرہ ہے، اس سب تحقیق کے یہ معنیٰ تھوڑی ہیں کہ تم ہوا کے مالک بھی ہو گئے کیونکہ یہی ہوا جب طوفانی صورت اختیار کر لیتی ہے تو تمہاری سائنسی مشین اور آلات اُڑا لے جاتی ہے۔ جب سمندر میں طوفان آتا ہے تو اخبار میں اعلان ہوتا ہے کہ

کہ فلاں ساحل کی طرف اتنی رفتار سے طوفان آرہا ہے اور سائنس دان کہتے ہیں کہ ہم نے مقابلہ کی مکمل تیاری کرلی ہے لیکن جب طوفان آتا ہے تو ان کی مشینیں بھی اُڑا لے جاتا ہے اور سائنس دانوں کو بھی لے جاتا ہے۔

جہاں طوفان میں پھنس کر سفینہ ڈگمگاتا ہے
وہیں قدرِ خدا و ناخدا معلوم ہوتی ہے

ناظم آباد میں ہارٹ اسپیشلسٹ ایک مریض کے قلب کی رفتار شمار کررہا تھا، اس کی انگلیاں مریض کی نبض پر تھیں اور گھڑی بھی دیکھ رہا تھا اتنے میں خود اس کا ہارٹ فیل ہوگیا، ڈاکٹر صاحب خود ہی چلے گئے۔ ایک مشہور ڈاکٹر جو پھیپھڑے کا اسپیشلسٹ تھا، اس کا ایک پھیپھڑا بیماری سے ضائع ہوگیا اور وہ اُسی مرض میں مرا جس کا وہ اسپیشلسٹ تھا۔ اس لیے دوستو! آج سائنس دانوں کی حقیقت بھی سمجھ لو۔ ایک بڑھئی دیوار میں کھونٹا ٹھونک رہا تھا، دیوار نے چلا کر کہا اے کھونٹے میرے اندر مت گھس، سائنس دانوں نے کہا کہ اس کھونٹے کی رفتار ہم بتائے دیتے ہیں کہ اتنی رفتار سے دیوار میں گھس رہا ہے اور اتنا نوکیلا ہے، اتنا موٹا ہے، سائنسدان سائز بھی بتارہے ہیں لیکن جو کھونٹا ٹھونک رہا ہے اس سے چھڑانے کی طاقت سائنسدانوں میں نہیں ہے:

﴿قَالَ الْجِدَارُ لِلْوَتَدِ لِمَ تَشُقُّنِیْ﴾

دیوار نے کھونٹے سے کہا میرا کلیجہ کیوں پھاڑتا ہے؟ کھونٹے نے ہنس کر کہا:

﴿قَالَ الْوَتَدُ اُنْظُرْ اِلٰی مَنْ یَّدُقُّنِیْ﴾

جو مجھے ٹھونک رہا ہے اس کو راضی کرلو پھر میں تیرے اندر نہیں گھسوں گا، بڑھئی کو راضی کرلو کھونٹا تو اسی کی مرضی سے آرہا ہے، کیا آسمانی اور زمینی آفات کو سائنسی آلات روک سکتے ہیں؟ ہاں وہ بندے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کیے ہوئے ہیں ان کی دعاؤں سے بلائیں رُک جاتی ہیں۔

ایک گاؤں میں ایک مجذوب رہتا تھا، ایک مرتبہ دریا میں سیلاب آنے لگا، سب نے کہا چلو مجذوب صاحب اس طرف کھدائی کریں تا کہ سیلاب کا رُخ کہیں اور ہو جائے اور اپنے حصہ کی طرف سے مٹی اونچی کریں تو مجذوب نے گاؤں کی طرف اور ڈھلان کر دی، سب چلانے لگے کہ اس طرح تو اور زیادہ پانی آجائے گا۔ اس نے کہا کہ اگر پانی میرے مولیٰ کی مرضی سے آتا ہے تو ہم اس کے لیے راضی ہیں، چنانچہ مجذوب کی اس تسلیم کی برکت سے سیلاب ہٹ گیا لیکن یہ مجذوبوں کا معاملہ ہے، آپ مجذوب نہ بنئے گا، مجذوب معذور ہوتا ہے، ان کی پہچان بڑی مشکل سے ہوتی ہے، ہر ایک کو مجذوب سمجھنا جائز نہیں ہے، جن کو لوگ مجذوب سمجھتے ہیں ان میں سے نوے فیصد پاگل ہوتے ہیں، مجذوب وہ ہوتے ہیں جن کو اللہ والے پہچانتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ یہ اپنے وقت کا مجذوب ہے۔

اسلاف میں شیخ کی کیا عظمت تھی!

چنانچہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دو خلفاء تھے، مولانا سخاوت علی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا کرامت علی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت سید احمد شہید نے مولانا کرامت علی صاحب سے فرمایا کہ تم بنگال جاؤ اور وہاں ہدایت کا کام کرو مگر کہیں ٹھہرنا مت تو مولانا کرامت علی صاحب ساری زندگی صوبہ بنگال میں سفر کرتے رہے اور واقعی یہ ان کا فیض ہے کہ جدھر جدھر سے ان کے قدم گذرے ہیں وہاں مسلمانوں کی تعداد اب بھی زیادہ ہے۔ حضرت سید احمد شہید نے اپنے دوسرے خلیفہ مولانا سخاوت علی صاحب سے فرمایا کہ تم پڑھایا کرنا اور کہیں مت جانا، بس ایک جگہ جونپور میں بیٹھ جاؤ۔ اب مولانا سخاوت علی صاحب کے پاس کوئی نورانی قاعدہ پڑھنے آیا تو اس کو بھی پڑھا دیا، کوئی بخاری شریف پڑھنے آیا اس کو بھی پڑھا دیا، کسی نے کہا کہ اتنے بڑے عالم ہو کر آپ نورانی قاعدہ کیوں

پڑھاتے ہیں بخاری شریف پڑھایا کریں، فرمایا ہمارے پیر نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ بخاری شریف پڑھانا، یہ فرمایا تھا کہ پڑھایا کرنا لہٰذا جو پڑھنے آئے گا اس کو پڑھا دوں گا۔ یہ حضرات تھے جو اپنے شیخ کی اتنی عظمت کرتے تھے جبھی تو ان سے فیض ہوتا تھا، آج تو ہر مرید خود شیخ بنا پھرتا ہے، اس کے دل میں کوئی رائے آ گئی تو شیخ کو بھی رائے دے گا اسی لیے میخ کے میخ بنے ہوئے ہیں۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیس میل پیدل جاتے تھے، آج دو میل والے کہتے ہیں کہ صاحب بہت دور ہے۔ جب میں ناظم آباد سے گلشن اقبال آیا تو ایک صاحب نے لکھا کہ جب سے آپ گلشن اقبال گئے ہیں کچھ مزہ نہیں آرہا ہے، اب اللہ کی محبت کی باتیں کس سے سنوں، انہوں نے ایک شعر میں شکایت لکھی ؎

کس سے پوچھوں بہار کی باتیں
اب صبا بھی اِدھر نہیں آتی

میں نے شعر کا جواب شعر میں دیا ؎

تم ہی گلشن میں کیوں نہیں آتے
جب صبا بھی اُدھر نہیں جاتی

تو میں عرض کر رہا تھا کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت گنگوہی کی خدمت میں بیس میل پیدل جاتے تھے اور بیس میل پیدل واپس آتے تھے۔ ایک دفعہ اس زمانے میں پہنچ گئے جس زمانے میں وہاں بدعات کا کوئی میلہ ہوتا تھا۔ حضرت نے سوچا کہ مجھے تو اپنے پیر سے ملنا ہے، ان بدعتیوں کے میلے سے میرا کیا ضرر ہے، لیکن مولانا گنگوہی نے جیسے ہی انہیں دیکھا فوراً فرمایا میاں محمود الحسن فوراً واپس جاؤ، کہنے لگے کیوں حضرت کیا بات ہے؟ فرمایا تم نے اس زمانہ میں یہاں آ کر بدعتیوں کے میلے میں تعداد بڑھا دی اور حدیث میں ہے:

﴿مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾

(کنزُ العُمَّال)

جو کسی قوم کی تعداد بڑھادے وہ اُنہی میں شمار کیا جائے گا۔ ایک بزرگ نے ہولی کے زمانے میں ایک گدھے پر پان کھا کر تھوک دیا اور کہا تجھ سے کسی نے رنگ نہیں کھیلا، لاؤ تجھ پر میں رنگ ڈال دوں۔ مرنے کے بعد ایک بزرگ نے ان کو خواب میں دیکھا پوچھا کیا حال ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مواخذہ کیا کہ تم نے کافروں کی مشابہت کیوں اختیار کی؟ مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مدینہ کے قبرستان میں ایک قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ فرانس کی ایک لڑکی دفن ہے۔ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے اس کو قرآن شریف پڑھایا تھا، یہ ماں باپ سے چھپ کر مسلمان ہوگئی تھی، مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو فرانس سے مدینہ کی اس قبر میں بھیج دیا اور اس قبر میں ایک عالم صاحب دفن تھے اس عالم کو جا کے فرانس میں دیکھا گیا تو دیکھا کہ اس لڑکی کی قبر میں لیٹے ہوئے ہیں، اس عالم کی بیوی سے جا کے لوگوں نے پوچھا کہ کیا اس کا کوئی ایسا گندہ عمل تھا جس کی وجہ سے خدا نے مدینے سے اس کو نکال دیا اور فرانس کی نو مسلم لڑکی کو وہاں سے مدینہ بھیج دیا تو اس کی بیوی نے بتایا کہ ہاں ایک سخت بات کہتے تھے، صحبت کر چکنے کے بعد جب غسلِ واجب کا مرحلہ آتا تھا تو کہتے تھے عیسائیوں کے مذہب میں یہ بڑا اچھا قانون ہے کہ صحبت کرنے کے بعد غسل واجب نہیں ہوتا۔

مولانا مسیح اللہ خاں صاحب حضرت تھانوی کے اکابر خلفاء میں سے تھے، اسّی سال کی عمر میں ہر سال لاہور کے اجتماع میں ہندوستان سے تشریف لاتے تھے، فرمایا کہ گناہ کو کم سے کم گناہ تو سمجھو، حرام کو حلال مت سمجھو، کم سے کم عقیدہ تو صحیح ہو۔ اگر کسی ایک قانونِ شریعت کا مذاق اُڑا لیا یا یوں کہا کہ یہ

ہندوؤں کے ہاں اچھا ہے، عیسائیوں کے ہاں اچھا ہے، یہودیوں کے ہاں اچھا ہے تو گویا اسلام کے قانون کا اس نے مذاق اُڑایا، اسلام کے قانون کو غیر پسندیدہ قرار دیا جبکہ اسلام سے زیادہ پاکیزہ اور حسین قانون کوئی نہیں ہے جو کونین کی عزتوں اور عشرتوں کا ضامن ہے اور امن وسلامتی کا مذہب ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ آج اس ملک میں یہ سوال ہوتا ہے کہ کون کون لوگ اسلام پسند ہیں، کون سی جماعت اسلام پسند ہے، میں تو کہتا ہوں کہ اس جملے کو منہ سے نکالنے سے پہلے ایسے نالائقوں کو موت آجاتی، کیوں بھئی مسلمانوں سے یہ پوچھنا کیسا ہے کہ کیا آپ اسلام پسند ہیں؟ ارے مسلمان تو ہوتا ہی وہ ہے جو اسلام پسند کرتا ہے، یہ تو برطانیہ اور ہندستان میں کوئی پوچھے کہ کون کون اسلام پسند ہیں، مسلمان کتنے ہیں، مگر کیا کہیں عجیب معاملہ ہے۔

تو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الہند سے فرمایا کہ آج کل یہاں گنگوہ میں ایک میلہ لگ رہا ہے جس میں اہلِ بدعت جوق در جوق آرہے ہیں، ہر سال قبروں پر ان کا میلہ لگتا ہے اور تم نے یہاں آکر ان کی تعداد بڑھادی لہٰذا فوراً واپس جاؤ۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن بہت بڑے عالم تھے لیکن شیخ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بڑے سے بڑے عالم مرید کو ڈانٹ سکتا ہے، بیٹا کتنا ہی بڑا عالم ہوجائے باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کو تنبیہ کرسکتا ہے اور حضرت گنگوہی نے سخت لہجے میں فرمایا کہ میرے پاس ایک سیکنڈ بھی مت ٹھہرو فوراً واپس جاؤ، یہ بھی نہیں فرمایا کہ بیس میل پیدل چل کر آئے ہو کچھ کھا پی لو، بلکہ فرمایا کہ فوراً واپس جاؤ۔ یہ ہیں اللہ والے جو اپنے مریدین کو اس طرح سے سنوارتے ہیں، یہ سنوارنا ہے، یہ بنانا ہے، مرید ایسے ہی بنتا ہے، جب ڈانٹ کھاتا ہے تب ڈینٹ نکلتا ہے جیسے موٹر میں کبھی ڈینٹ آجاتا ہے تو گیراج والے اس کا ڈینٹ نکالتے ہیں اسی طرح شیخ بھی نفس کا ڈینٹ نکالتا ہے، کبھی غفلت کا ڈینٹ ہے،

کبھی بڑائی کا ڈینٹ ہے، کبھی اللہ کی محبت کی کمی کا ڈینٹ ہے، کبھی دنیا کی محبت کا، بیوی کی محبت کا، کاروبار کی محبت کا ڈینٹ ہے کہ یہ محبت اتنی غالب آگئی کہ نہ جماعت کی نماز کی فکر ہے نہ آخرت کی فکر ہے، سمجھتا ہے کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے، مسافر جب پردیس کو وطن سمجھنے لگے تو اس کے دماغ کا آپریشن ضروری ہے ورنہ وطن خراب کردے گا جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور پردیس میں ہر وقت رنگ رلیوں میں لگا رہے گا لہٰذا شیخ الہند فوراً قصبہ گنگوہ کی طرف واپس چل پڑے، راستہ میں ان کا ایک شاگرد ملا، شیخ الہند بہت بڑے عالم تھے، طلباء کو بخاری شریف پڑھاتے تھے، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی بھی ان کے شاگرد ہیں، تو ان کے شاگرد نے کہا حضرت ہاتھ جوڑتا ہوں تھوڑا سا کچھ کھالیں، تھوڑا سا شربت پی لیں، فرمایا کہ میرے شیخ نے فرمایا ہے فوراً قصبہ خالی کر کے واپس جاؤ، اگر میں تمہارے ہاں پانی یا شربت پیوں گا یا کچھ کھاؤں گا تو فوراً کا حق ادا نہ ہوگا۔ بتایئے! کیا ان کے شیخ اس وقت دیکھ رہے تھے؟ مولانا گنگوہی ان کو دیکھ رہے تھے؟ یہ ہیں اللہ والے! فرمایا کہ اے میرے شاگرد! میں ایک منٹ بھی تمہارے یہاں نہیں بیٹھوں گا، میرے شیخ نے فوراً کا لفظ کہا ہے، کیا میرا شیخ بے رحم ہے؟ وہ پانی نہیں پلا سکتا تھا؟ وہ ہمیں روٹی نہیں دے سکتا تھا؟ انہوں نے جو کچھ کہا ہماری اصلاح کے لیے کہا۔

بعض دفعہ شیخ کی ایک ڈانٹ میں وہ اثر ہوتا ہے کہ سو برس کے تہجد سے اُس مقام پر پہنچنا مشکل ہوتا ہے جہاں شیخ کی ایک ڈانٹ پہنچا دیتی ہے۔ پس شیخ الہند فوراً واپس آگئے، یہ تھی شیخ و مرشد کی عظمت، آج تو مرید کو ذرا سا ڈانٹ دو تو اس کا منہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے، مرید قرضہ مانگے اور شیخ نہ دے تو کہتا ہے کہ ایسے بخیل پیر کو چھوڑ دو، چاہتے ہیں کہ بس پیران کو حلوہ کھلائے اور گلے سے لگائے تو بس وہ پیر ہے حالانکہ اصلی پیر تو وہ ہوتا ہے جو دل سے غفلت کی

پیرا (مرض) نکال دے۔

شیخ کی شفقت ومحبت کی مثال

چنانچہ شیخ الہنداپنے پیرومرشد کے حکم سے واپس آگئے۔اب ذرااِن پیرومرید کے تعلق کا دوسرا رُخ بھی سن لیجئے۔ شیخ الہند کی حضرت گنگوہی کی خدمت میں ہر ہفتے حاضری ہوتی تھی، ایک دفعہ زیادہ دن کے بعد حاضری ہوئی تو حضرت گنگوہی کی خدمت میں ایک صاحب آئے ہوئے تھے، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ نواب صاحب کے لیے کھانا آیا ہے تو پیچھے ہٹنے لگے، حضرت گنگوہی کی بینائی جاتی رہی تھی، اندازہ سے سمجھ لیا کہ شیخ الہند کھسک رہے ہیں، پوچھا کہ محمودالحسن کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے کہ حضرت نواب صاحب آپ کے ساتھ کھانا کھائیں گےاورنواب صاحب حضرت سے تو عقیدت لے کرآئے ہیں لیکن ہوسکتا ہے مجھ جیسے طالبِ علم کے ساتھ کھانے میں ان کوتکلف ہواورشرم آئے، تو حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ یہاں آؤاور میرے ساتھ کھانا کھاؤ، اگرنواب صاحب کوناگواری ہوگی توان کواس کمرے میں کھانا بھجوادوں گا جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں لیکن تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ گے، تیرا میرا جینا مرناایک ساتھ ہے۔دیکھیے یہ ہےان کی محبت کا دوسرا رُخ! بعض وقت پیر نے ایک مرید کو پانچ روپیہ ھدیہ دیااوردوسرے مرید کوسوروپیہ دیا، پھر دنیادارمرید کے نفس کی قلابازیاں دیکھئے کہ اس کا نفس کتنی گالیاں دیتا ہے لیکن یہ نہیں دیکھتا کہ کس مرید نے شیخ کے کتنے ناز اٹھائے ہیں اوراللہ کی راہ میں کتنی قربانی دی ہے، جتنی جس کی قربانی اتنی خدا کی مہربانی۔

مہربانی بقدرقربانی

سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے جب خدا کی محبت میں آدھی

رات کو سلطنتِ بلخ چھوڑ کر گدڑی پہنی اور نیشا پور کے جنگل میں عبادت کرنے گئے تو ان کے لیے آسمان سے کھانا آیا اور سارا جنگل خوشبو سے معطر ہو گیا۔ وہیں ایک فقیر کو دس سال سے خدائے تعالیٰ کی طرف سے چٹنی روٹی مل رہی تھی، اس نے اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا کہ اے اللہ! میں گھاس کاٹتا ہوں پھر شہر جا کر گھاس بیچتا ہوں اور جو پیسے ملتے ہیں اس سے اپنا پیٹ بھرتا ہوں، اگر آپ میرے لیے کھانے کو کچھ بھیج دیا کریں تو اتنا وقت بچے گا اور اتنی دیر مزید آپ کی عبادت کر لیا کروں گا، آپ کے لیے کیا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ نے منظور کر لیا اور فرمایا اپنا کھرپا جس سے گھاس کاٹی جاتی ہے اور لکڑی کی جھولی جس میں گھاس رکھتے ہیں دونوں یہیں رکھ دے اور دس سال سے اس کو چٹنی روٹی غیب سے ملتی رہی۔ لیکن جب سلطنت بلخ چھوڑ کر فقیری کے لباس میں سلطانِ بلخ اسی جنگل میں آئے اور ان کے لیے جنت سے خوشبودار بریانی آئی تب اس مجذوب کی بے قوفی کھلی، اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ اللہ میاں کیا آپ کے بھی دو آنکھیں ہیں، میں یہاں دس سال سے آپ کی عبادت کر رہا ہوں اور مجھے دس سال سے چٹنی روٹی مل رہی ہے اور یہ آدمی کل جنگل میں آیا اور آپ نے اس کو اتنی ترقی دی کہ پہلے ہی دن ایم ایس سی کی ڈگری دے دی اور اس کو بریانی کی پی ایچ ڈی کھلا رہے ہیں حالانکہ ؂

وہ عاشق کل ہوا میں ہوں تیرا دیوانہ برسوں سے

فوراً آسمان سے آواز آئی او بے ادب! تیرا وہ کھرپا اور جھولی میں نے اِسی دن کے لیے رکھوایا تھا چونکہ مجھے مستقبل کا علم تھا کہ تیری عقل کم ہے، تو مجھ پر اعتراض کرے گا، تو نے بارہ آنہ مجھ پر قربان کیے، آٹھ آنے کی کھرپی اور چار آنے کی جھولی، یہ اپنا یہ کھرپا اور جھولی لے جس میں گھاس رکھتا تھا، آج کے بعد روزانہ گھاس کاٹ، آج سے چٹنی روٹی بند اور یہ جس پر تو نے اعتراض کیا ہے اس نے

میرے لیے سلطنت چھوڑی ہے، وزیروں کی سلامی چھوڑی ہے، مخمل کے گدے چھوڑے ہیں، شامی کباب وبریانی چھوڑی ہے تو میاں سن لو؂

اس کے جرے تو کس نہ بسائے

یعنی جو اپنے کو جتنا جلاتا ہے خدا بھی اس کو اتنا ہی خوشبودار کرتا ہے۔

راہِ حق کے مجاہدات اور اس کے انعامات

جو جتنا مجاہدے سے گذرتا ہے، مخلوق کے طعنے برداشت کرتا ہے اس کا ایمان بھی اتنا ہی اونچا بنتا ہے، آج ہر سنت پر مخلوق کا طعنہ ملتا ہے، پاجامہ ٹخنے سے اوپر کرلو تو کہتے ہیں کہ ارے میاں آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ ٹخنہ سے اوپر کر کے آپ نے تو پتلون کی مٹی پلید کردی، پتلون کی عزت ختم کردی، آج ہر سنت پر طعن و تشنیع ہوتی ہے، ڈاڑھی ایک مٹھی تینوں طرف سے رکھنا واجب ہے، دیکھو شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''ڈاڑھی کا وجوب''، لیکن آج جو ایک مٹھی ڈاڑھی رکھ لے تو اس پر بھی لعن طعن شروع ہوجاتی ہے، ہر طرف سے اس کو یہی مجاہدہ ہوتا ہے مگر کچھ دن کے لیے، یہ امتحان زیادہ دن نہیں ہوتا، الیکشن زیادہ دن نہیں لڑا جاتا، جب شیطان کا لشکر دیکھ لیتا ہے کہ یہ تو بیوی سے بھی نہیں ڈرا، دفتر والوں سے بھی نہیں ڈرا، اڑوسی پڑوسی سے بھی نہیں ڈرا، یہ تو کسی کے کہنے سے ڈاڑھی نہیں کٹا رہا ہے تو آخر میں وہ بیٹھ جاتا ہے، پھر جب طعنے دینے والوں میں سے کسی کا بیٹا یا بیوی بیمار ہوتی ہے تب وہ اسی ڈاڑھی والے کے پاس جاتا ہے، کہتا ہے حضرت جی دعا کردو بیٹا اچھا ہوجائے، یہ کون ہیں؟ یہ اس کے افسر ہیں جو پہلے ہنستے تھے، اب اپنے ماتحت سے دعا کرارہے ہیں، اور جب بیوی نے دیکھا کہ میاں کی پوری ڈاڑھی ہے اور اشراق بھی پڑھ رہے ہیں اور سجدے میں بھی بہت روتے ہیں تب جناب نافرمانی اور لڑائی سب

چھوڑ دی، اب ڈرتی ہے کہ کہیں میرا شوہر اللہ میاں سے کچھ کہہ نہ دے، ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا یوسف لدھیانوی سے ایک دن فرمانے لگے کہ میری تمہاری کوئی جان پہچان نہیں تھی لیکن جب سے تم میرے پاس آنے جانے لگے اور مجھ سے تعلق اصلاح و تربیت کا قائم کیا اور میں نے اللہ کے بھروسے پر تم کو خلافت دی اب اس کے بعد ہمیں تم سے محبت ہے اور تم کو مجھ سے محبت ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب تم سے کوئی کہتا ہے کہ میں ڈاکٹر عبدالحی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں مگر میری ان سے کوئی جان پہچان نہیں ہے تو مولانا صاحب آپ کہتے ہیں کہ لاؤ ہم ایک پرچہ لکھتے ہیں، اب آپ مجھے پرچہ لکھتے ہیں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب یہ میرا خاص آدمی ہے اور آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہے، اور اسی طرح جب مجھ سے کوئی کہتا ہے کہ مجھے مولانا یوسف لدھیانوی سے ملنا ہے اور میری ان کی کوئی جان پہچان نہیں ہے تو میں اس کے لیے پرچہ لکھتا ہوں کہ مولانا یوسف لدھیانوی یہ میرا خاص آدمی ہے ؎

دونوں جانب سے اشارے ہو چکے
ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے

اسی کا نام نسبت ہے، جب اللہ سے بندے کی نسبت قائم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حفاظت فرماتے ہیں اور بندہ بھی اللہ کے قانون کی حفاظت پر جان دیتا ہے۔

تعمیلِ احکامِ الٰہیہ کی تمثیل

ایک مرتبہ شاہ محمود نے کہا کہ میرا یہ موتی جو پورے ملک میں نایاب ہے کہیں باہر سے منگایا ہے اے وزیرو! تم اس کو توڑ دو، ہر وزیر آیا اور کہا واللہ! ہم اس کو نہیں توڑیں گے کیونکہ شاہ محمود آپ کے خزانے میں یہ موتی نایاب

ہے، شاہ محمود نے ان کی بات سن کر ان سب کو شاہی خلعت انعام میں دی، پھر اپنے غلام ایاز کو بلایا، محمود جانتا تھا کہ ایاز میرا عاشق ہے، میرا دیوانہ ہے، یہ وزیر تنخواہ دار ہیں، خودغرض ہیں، عاشق نہیں ہیں، ان کا عقیدہ ہے باپ بڑا نہ بھیّا سب سے بڑا روپیّہ، یہ تنخواہ دار لوگ کیا جانیں کہ محبت کیا چیز ہے، تو شاہ محمود نے ایاز کو بلا کر کہا کہ اے ایاز! پینسٹھ وزیروں نے میرا موتی نہیں توڑا اور سب کو میں نے انعام دیا لیکن میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ تو یہ شاہی موتی توڑ دے، ایاز نے پتھر اٹھایا اور موتی پر مارا، موتی چکنا چور ہوگیا اور اس کے ذرّے ذرّے بکھر گئے، پینسٹھ وزیروں نے کہا ؎

ایں چہ بے باکی ست واللہ کافراست
ہر کہ ایں پر نور گوہر را شکست

واللہ! یہ شخص بڑا ہی نالائق ہے جس نے بادشاہ کے خزانے کا نایاب موتی جس کا بدل نہیں تھا اُس کو توڑ دیا۔ محمود بادشاہ نے کہا ایاز تم اس کا جواب دو، مجھے یقین ہے کہ تم نے میری محبت کا حق ادا کیا ہے لیکن تم اس کا جواب دو کہ تم نے اس موتی کو کیوں توڑا؟ ان پینسٹھ وزیروں کے دماغ میں کیا گوبر بھرا ہوا تھا؟ ان لوگوں نے کیوں نہیں توڑا اور تم نے کیوں توڑا؟ ایاز نے پینسٹھ وزیروں کو جو جواب دیا اس کو مولانا جلال الدین رومی اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں ؎

گفت ایاز اے مہترانِ نامور
امرِ شہ بہتر بقیمت یا گُہر

ایاز غلام نے کہا اے معزز وزیرو! تم مجھے کافر بنا رہے ہو، میں نے مانا کہ خزانے میں ایسا موتی نہیں ہے لیکن بتاؤ! شاہی حکم زیادہ قیمتی ہے یا یہ موتی زیادہ قیمتی ہے۔

مان لو یہ عورتیں حسین موتی ہیں لیکن خدا قرآن میں حکم دے رہا ہے کہ

اے ایمان والو! میرے حکم کا پتھر میرے موتیوں پر مار دو، ان کو مت دیکھو، نگاہ نیچی کرلو، ان سے بلاضرورتِ شدیدہ باتیں مت کرو اور جب بات کرو تو لچک دار آواز میں باتیں مت کرو، صرف ضرورت کی بات کرو، بالقصد التذاذِ کلام جائز نہیں، بے ضرورت بات ہی مت کرو، مجبوراً ضرورت کی بات کرلو، ٹکٹ لینا ہے تو نگاہ نیچی کر کے ٹکٹ لو، آواز بھی بھاری رکھو، ٹوپی بھی درست مت کرو، ڈاڑھی پر بھی ہاتھ مت پھیرو۔

نفس کا ایک خفیہ کید

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نفس کا چور ہے کہ کسی حسین مرد یا عورت کو خوش کرنے کے لیے ٹوپی کو ذرا ٹھیک کرلیا، ڈاڑھی کو درست کردیا یا چشمے کو ٹھیک کرلیا یہ سب مرض ہے، فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جن کے دل میں بیماری ہوتی ہے لوچ دار آواز سن کر ان میں طمع اور لالچ پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی لیے حکم ہورہا ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو، ہماری ماؤں کو کہ جب صحابہ کوئی سوال کریں تو اپنی طبعی لوچ دار آواز میں جواب مت دو، جو تمہاری فطری آواز ہے، نامحرم مردوں سے عورتوں کو آواز بھاری کر کے بولنا چاہیے۔ اللہ اکبر! صحابہ کے لیے اور ازواجِ مطہرات کے لیے یہ حکم نازل ہورہا ہے جن کے درمیان جبرئیل علیہ السلام اُتر رہے ہیں، جہاں قرآن نازل ہورہا ہے وہاں تو اتنی احتیاط اور آج لوگ کہتے ہیں کہ مولانا صاحب ہمارا دل صاف ہے اور نظر پاک ہے، یہ جتنے ملا نگاہ بچاتے ہیں یہ سب کمزور دل کے ہیں، ایک ہم ہیں کہ آنکھیں پھاڑ کے دیکھتے ہیں اور ہم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، یہ سب جھوٹ ہے۔

ایم ایس سی کا ایک طالبِ علم جو مجھ سے بیعت ہے اس نے مجھ سے کہا

کہ میری پروفیسر صاحبہ جب پڑھاتی ہیں تو مجھ سے کہتی ہیں کہ آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھو، تم کیسے آدمی ہو؟ ہم تم کو جغرافیہ اور تاریخ اور نجانے کیا کیا پڑھا رہے ہیں اور تم نگاہ نیچی کیے ہوئے ہو، میری طرف آنکھ کھول کر دیکھو گے تو زیادہ سمجھ میں آئے گا۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ کاش ان پاگلوں کو اللہ تعالیٰ عقل عطا فرمائے جو لڑکوں کو پڑھانے کے لیے عورتیں رکھتے ہیں اور لڑکیوں کو پڑھانے کے لیے مرد رکھتے ہیں یعنی دونوں طرف سے بھیڑیئے، بھیڑیئے کو کہو کہ بکری کو سلامت رکھنا، حفاظت سے رکھنا بھلا وہ حفاظت سے رکھے گا؟ ایک گھوڑا بھوکا ہے اس کے سامنے گھاس رکھ دو اور کہو خبردار گھاس کو سلامت رکھنا، تم ایک ولی اللہ کے گھوڑے ہو، تمہارے کانوں میں رات دن ذکر و تلاوت کی آوازیں آتی ہیں، گھوڑے نے بھی کہا ہاں، کہا کہ تمہارے مالک صاحب تہجد پڑھتے ہیں؟ اس نے کہا ہاں، اچھا تو لا الٰہ الا اللہ کی ضربوں کی آوازیں بھی آتی ہیں؟ گھوڑے نے کہا جی ہاں، اس نے کہا اچھا اس گھاس کو مت کھانا، گھوڑے نے کہا کہ گھاس سے محبت کروں گا تو کھاؤں گا کیا؟

تو میرے دوستو! دیکھو! ایاز نے حقِ غلامی ادا کر دیا۔ مولانا رومی آگے فرماتے ہیں ؂

نقشِ حق را ہم بہ امرِ حق شکن
بر زُجاجۂ دوست سنگِ دوست زن

دوست کا پتھر دوست کے شیشے پر مار دو، شیطان کتنا ہی کہے ارے ایسی پیاری شکل ہے، اس سے بھاری آواز میں رُکھائی سے کیسے باتیں کروں، اس سے نرمی سے بات کرنی چاہیے ورنہ لوگ کہیں گے کہ ملا بد اخلاق ہوتے ہیں لیکن مولانا رومی فرماتے ہیں دیکھو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ؂

بر زُجاجۂ دوست سنگ دوست زن

دوست کے شیشے پر دوست ہی کا پتھر مارو۔

دلِ شکستہ کی دولتِ قرب

اگر وہ حکم دیتے کہ دیکھو تو ہم دیکھ لیتے لیکن ان کا حکم یہی ہے کہ مت دیکھو، چاہے ان کا دل ٹوٹے چاہے تمہارا دل ٹوٹے، دونوں موتی ہیں تمہارا دل ٹوٹ گیا تو اللہ کے حکم سے موتی ٹوٹ گیا لیکن ٹوٹے ہوئے دل میں اللہ ہوتے ہیں اسی لیے اس کو جلد ترقی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے جس کا دل ٹوٹا ہوا ہوتا ہے خدا اس دل میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے شہوت کے یہ تقاضے پیدا کیے اور ان حسینوں کو ہمارے سامنے بکھیر دیا اور بتا دیا کہ ان سے نگاہ بچا لو، یہ دل توڑنے ہی کے لیے تو ہے۔ اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر یاد آیا کاش کہ آپ لوگ اس شعر کی اردو سمجھ لیتے کیونکہ اس شہر میں ''بابا تم کدھر جائے گا'' والی اردو ہے اس لیے ڈر بھی لگتا ہے مگر کوشش کریں گے تو سمجھ لیں گے شاعر اصغر گونڈوی جگر کا استاد کہتا ہے کہ ؎

لذتِ دردِ خستگی، دولتِ دامنِ تہی
توڑ کے سارے حوصلے مجھ کو یہ اب صلہ دیا

لذتِ دردِ خستگی یعنی بھنا ہوا دل، خدا کے عشق سے جلا ہوا دل، اس کو دردِ دل اور دردِ خستگی کہتے ہیں، یہ اللہ والوں کی دولت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی تمام خواہشات کو توڑ دیتے ہیں پھر جب دل ٹوٹ جاتا ہے تو اس ٹوٹے ہوئے دل میں جلوہ فرما ہوتے ہیں۔ حدیث ہے:

﴿اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾

(المرقاۃ، کتابُ الجنائز، باب عیادۃ المریض)

ملا علی قاری نے اس حدیث کی توثیق کی ہے، اس کو موضوعات میں شامل نہیں کیا کہ جس کا دل اور آرزو ٹوٹ جائے اور حسرت بھری آہ نکل جائے کہ کوئی آرزو

پوری نہیں ہوئی، اب ہائے ہائے کررہا ہے، اسی ٹوٹے ہوئے دل میں اللہ آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ٹوٹے ہوئے دل کا انتظام کیا ہے جبھی ہمارے اندر ایسے تقاضے رکھے ہیں، اگر مجاہدہ شدید ہے تو انعام بھی تو بہت بڑا ہے، ایسا انعام ہے کہ جس دن اللہ مل گیا تمام مملکت وسلطنت سب بھول جاؤ گے، سورج اور چاند کی روشنی کو بھول جاؤ گے، جو سورج اور چاند کو روشنی کی بھیک دیتا ہے تو جس کے دل میں وہ خود آجائے تو اس دل کے عالم کا کیا عالم ہوگا۔ خواجہ صاحب نے کیا پیارا شعر فرمایا۔

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لو شمعِ محفل کی
پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

یہ کون ذات مرے دل میں آگئی، آج اللہ دل میں آیا ہے تو سارا عالم بے نور معلوم ہورہا ہے، سورج اور چاند کی روشنی پھیکی معلوم ہورہی ہے۔

ذکر اللہ سے روحانی ترقی کی مثال

اس لیے کہتا ہوں کہ دفتروں سے چھٹی پاکر، اپنی دکانوں سے چھٹی پاکر، کاروبار کی مصروفیات سے چھٹی پاکر اور بیوی بچوں سے الگ ہوکر دس منٹ اللہ کے پاس بیٹھ جاؤ۔

تمنا ہے کہ اب کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دل نشیں ہوتی

لیکن گھر سے نہ بھاگو، گھر ہی میں رہو مگر مصلیٰ بچھالو، کعبہ رو ہوجاؤ تاکہ کوئی تمہیں بلا نہ سکے، دس منٹ تنہائی میں اللہ کے ساتھ رہنے کی عادت ڈالو اور اللہ کا نام لے کر دیکھو کہ کیا ملتا ہے مگر آہستہ آہستہ ملتا ہے جیسے بچہ روزانہ بڑھتا ہے لیکن پتا نہیں چلتا، اب اگر کوئی روزانہ اپنے بیٹے کو فیتہ لگا کرناپے کہ آج کتنا بڑھا آج

کتنا بڑھا تو کچھ فرق نہیں معلوم ہوگا لیکن چھ مہینہ بعد ناپے تو فرق پتا چل جائے گا، اسی طرح اللہ کو یاد کرنا شروع کردو ان شاء اللہ سال چھ مہینے کے بعد معلوم ہوگا کہ دل کی دنیا بدلی ہوئی ہے، اللہ کا نور دل میں آرہا ہے اور ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔

وہ ان کا رفتہ رفتہ بندۂ بے دام ہوتا ہے
محبت کے اسیروں کا یہی انعام ہوتا ہے

بندہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کا ہوتا چلا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نوافل کے ذریعے میرے اتنے مقرب ہوجاتے ہیں کہ میں ان کی آنکھ ہوجاتا ہوں وہ میری آنکھ سے دیکھتے ہیں، میں ان کے کان ہوجاتا ہوں وہ میرے کان سے سنتے ہیں، میں ان کا ہاتھ بن جاتا ہوں وہ میرے ہاتھ سے پکڑتے ہیں، کیا شان ہوتی ہے اولیاء اللہ کی!

موت کے وقت دنیا داروں کی بے کسی

جتنے لوگ آج کما کر مونچھوں پر تاؤ دے رہے ہیں اور کئی کئی بلڈنگ بنا کے بیٹھے ہوئے ہیں مرنے کے بعد جب جنازہ اُترے گا تب ان سے پوچھو کہ سیٹھ صاحب زمین کے نیچے کتنا مال لائے ہو؟ کتنے ٹیلیفون سیٹ لائے ہو؟ کتنے صوفے اور کتنے قالین لائے ہو؟ اور بعض لوگ جو امیر ہیں واقعی قالین بچھائے ہوئے ہیں لیکن بعض لوگ جو فقیر مسکین ہیں، دنیاوی حالت اچھی نہیں ہے وہ اپنی آخرت بھی اچھی بنانے کی فکر نہیں کرتے، نامحرموں کو دیکھ کر حرام نظروں کے ذریعہ آنکھوں میں حرام لذتوں کے شامی کباب گھسیڑ رہے ہیں، وی سی آر، ٹی وی اور فلمی گانے سننے جیسے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ میرے دوستو! اپنی موت کے وقت کو ہر وقت سامنے رکھو۔ حدیثِ پاک میں ہے:

﴿اَکْثِرُوْا ذِکْرَ مِنْ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ یَعْنِی الْمَوْتَ﴾
(سننُ الترمذی، کتابُ الزهد، باب ماجآء فی ذکر الموت)

کہ کثرت سے موت کو یاد کرو، اس سے آنکھیں کھل جائیں گی، دل کا زنگ دور ہو جائے گا، دنیا کی حقیقت سمجھ میں آجائے گی۔ میرا شعر ہے ؎

یوں تو دنیا دیکھنے میں کس قدر خوش رنگ تھی
قبر میں جاتے ہی دنیا کی حقیقت کھل گئی

دنیاوی محبت کی بے ثباتی

جب قبر میں جنازہ اُترا تو معلوم ہوا بیوی صاحبہ جن کے لیے مرتے تھے وہ بھی دوسری شادی کی فکر میں لگ گئیں اور دوسرے شوہر کی تلاش شروع ہوگئی۔

لاہور میں ایک صاحب میرے پیر بھائی ہیں، بہت بڑے افسر ہیں، ان کے اولاد نہیں تھی مگر بیوی سے شدید محبت تھی، اتنی محبت تھی کہ بیوی کے مرنے کے بعد روزانہ ایک گھنٹہ قبر پر بیٹھتے تھے تب جا کر ان کو تسلی ہوتی تھی، گھر میں کوئی اولاد تو تھی نہیں، تو بیوی کی چادر، اس کا بستر، اس کی ایک ایک چیز ویسے ہی بچھائے ہوئے تھے، روزانہ اس کے بستر کو دیکھ کر، اس کی چارپائی کو دیکھ کر اور اس کے کپڑوں کو دیکھ کر اسے یاد کرتے تھے۔ بزرگوں نے مشورہ دیا کہ دوسری شادی کرلو، شریعت میں جائز ہے، اللہ کی شان کہ چالیس سال کی ایک لڑکی ایم ایس سی پاس ہندوستان سے آئی، اِن کی رشتہ دار تھی، بہرحال اس خاتون سے رشتہ لگ گیا، شادی ہوگئی۔ اب میں نے ان سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ اب قبر پر نہیں جاتے اور بستر کی چادر بھی بدل گئی، اب وہ نئی بیوی کی اتنی تعریف کرتے ہیں کہ صاحب بڑی اچھی لڑکی مل گئی، اس کے سارے بال کالے ہیں جبکہ میں ساٹھ سال کا ہوں اور وہ میری اتنی خدمت کرتی ہے حالانکہ ایم ایس سی

ہے اور اس میں یہ خوبی ہے وہ خوبی ہے، یعنی اب ان کا عالم بالکل ہی بدل گیا لٰہذا دوستو! دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہے، اللہ راضی ہے تو بیٹا بھی ساتھ دیتا ہے، اللہ راضی ہے تو بھائی بھی کام آجاتا ہے بلکہ غیر بھی کام آجاتے ہیں اور جب خدا ناراض ہوتا ہے تو شوہر سے بیوی کو پٹوا دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب کا ایک شعر خوب غور سے سن لو ؎

نگاہِ اقرباء بدلی، مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اِک اُن کی کیا بدلی کہ کُل سارا جہاں بدلا

خدا کے مجرم کی کوئی پناہ گاہ نہیں

اللہ ناراض ہوگا تو دنیا میں کہیں چین نہ پاؤ گے۔ پاکستان کی حکومت سے کوئی بغاوت کرتا ہے تو رات کو بارہ بجے پاسپورٹ بنوا کر ڈاڑھی منڈا کر یا نقلی ڈاڑھی لگا کر، شکل بدل کر، مجرمانہ طور پر برطانیہ یا افریقہ میں سیاسی پناہ لے لیتا ہے، کینیڈا یا سوئزرلینڈ میں سیاسی پناہ لے لیتا ہے اور بعض ممالک تو پناہ دینے کے لیے ہاتھ کھولے ہوئے ہیں، وہ کہتے ہی یہ ہیں کہ کوئی کسی ملک میں جرم کرے وہ آجائے ہمارے یہاں پناہ لے لے، اس کا نام ہے سیاسی پناہ لیکن اللہ کو ناراض کر کے کہاں جاؤ گے؟ جہاں جاؤ گے ان کی زمین ہے، جہاں جاؤ گے ان کا آسمان ہے، جہاں جاؤ گے ان کا ملک ہے لٰہذا خدا جب ناراض ہوجائے تو کہیں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

مقرب بندوں سے اللہ کی محبت کی ایک علامت

اپنے کو کافروں پر قیاس مت کرو، ان کو تو ڈھیل ملی ہوئی ہے، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ چونکہ اپنا بنا چکے ہیں اس لیے فوراً تنبیہ کرتے ہیں، جو جتنا زیادہ مقرب ہوتا ہے، جو جتنا زیادہ اللہ کا پیارا ہوتا ہے اتنی ہی جلد اس کو سزا دیتے ہیں جیسے کسی کا بہت پیارا بیٹا ہو، اگر اس کو معلوم ہوجائے کہ میرا یہ بیٹا

عاشق مزاج ہے، اگر اس کی شادی خوبصورت لڑکی سے ہوگئی تو پھر یہ اُسی کے پاس رہے گا، مجھے پوچھے گا بھی نہیں تو باپ شادی کرنے میں اس بات کی رعایت رکھے گا اور کم خوبصورت لڑکی لائے گا، تو اللہ تعالیٰ بھی جسے اپنا بہت خاص بنانا چاہتے ہیں اسے مٹی کے کھلونوں میں مشغول نہیں ہونے دیتے، تو جو جتنا زیادہ پیارا ہوتا ہے اس کو خطاؤں پر جلد سزا ملتی ہے اور جو جتنا نالائق اور غفلت زدہ ہوتا ہے اس کو اللہ کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے، اس کو سزا دینے میں دیر کی جاتی ہے، جلد سزا ملنا علامت ہے تقرب کی۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک ولی اللہ نے جنگل میں جاکر کہا کہ خدا کی قسم جب تک درخت سے پھل نہیں گرے گا میں خود توڑ کر نہیں کھاؤں گا، خواہ مخواہ یہ قسم اُٹھا لی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ بلا وجہ قسم مت اُٹھاؤ، اللہ میاں کو زیادہ بہادری مت دِکھاؤ، اللہ میاں کے سامنے کمزور بننے میں فائدہ ہے ۔

زور را بگذار زاری را بگیر

طاقت کو چھوڑو، اللہ کے دربار میں رونے سے کام چلے گا مگر ان ولی اللہ کے دماغ میں شیطان نے کچھ ڈال دیا کہ ذرا اکڑفوں بھی دکھاؤ کہ اللہ میاں میرا توکل بہت قوی ہے، اگر آپ پھل گرائیں گے تو کھاؤں گا، اگر آپ نہیں گرائیں گے، ہواؤں کو روک لیں گے تو میں ایسے ہی پڑا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ اچھا مجھ کو بہادری دکھا رہے ہو، عاجزی سے دو روٹی نہیں مانگ رہے ہو حالانکہ تم ایک ایک دانہ کے محتاج ہو۔ حدیثِ پاک میں دسترخوان اُٹھانے کی دعا ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا﴾

(صحیحُ البخاری، باب مایقول اذا فرغ من طعامہ، ج:۲، ص:۸۲۰)

تعریف ہے اس اللہ کی جس نے مجھے کھانا کھلایا، میں دسترخوان کو ہمیشہ کے لیے رخصت نہیں کررہا ہوں اور نہ میں اس سے مستغنی ہوں، میرے رب! میں دسترخوان کا محتاج ہوں کہ دوسرے وقت بھی ضرورت پڑے گی، عارضی طور پر یہ دسترخوان اُٹھا رہا ہوں۔ تو جنگل میں ان ولی اللہ کے ساتھ یہ ہوا کہ جب تین دن بھوک لگی اور کوئی پھل ٹوٹ کے نہیں گرا تو خود سے پھل توڑ کے کھالیا، قسم توڑ دی، نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ڈاکو اندھیری رات میں آئے اور ان کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹ دیا حالانکہ ڈاکو ان کو جانتے تھے کہ یہ بزرگ ہیں لیکن اندھیرے میں پہچانا نہیں ورنہ ان کی بزرگی کے وہ بھی معتقد تھے۔ صبح تھانے میں اطلاع ہوئی، تھانیدار بھی مرید تھا، اس نے ڈاکوؤں کو جمع کیا اور ہنٹر اٹھایا اور کہا کہ حضرت حکم دیں تو آج تو ان کی کھال اُتار دوں، انہوں نے میرے شیخ اور بزرگ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا، شیخ نے کہا ؎

می شناسم من گناہ خویش را
خوب می دانم سبب ایں نیش را

میں اپنے گناہ کو خوب سمجھتا ہوں، یہ جو بچھو نے مجھے ڈنک، مارا یعنی ڈاکوؤں نے جو مجھے ستایا تو میں نے اپنے اللہ سے ایک عہد کیا تھا، اس عہد کو میں نے توڑ دیا لہٰذا یہ اس کی سزا ہے، آپ ان کو چھوڑ دیں، معاف کردیں، یہ ان کا قصور نہیں ہے۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے اور اس کو باقی رکھنے کے لیے تقویٰ کی ضرورت ہے اور تقویٰ کے لیے صحبتِ اہل اللہ کی ضرورت ہے، ان کی برکت سے سمجھ ملتی ہے۔ یہ بات حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اس لیے ان کی بات نقل کررہا ہوں، یہ مال ابھی ملا ہے، لاہور میں تین دن کا اجتماع تھا، میں جمعہ کی شام کو گیا تھا اور کل گیارہ

بجے آیا ہوں تو وہاں حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی جلال آباد سے تشریف لائے تھے، جلال آباد تھانہ بھون سے قریب ہے، حضرت کو میں نے تھانہ بھون میں بھی دیکھا تھا، یہ وہاں آئے اور تھانہ بھون میں حاجی امداد اللہ صاحب کے حجرے میں دو رکعت نماز پڑھی، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ اللہ والے کیسے برکت لوٹتے ہیں کہ بزرگوں کے مصلیٰ پر نماز پڑھنا بھی اپنے لیے برکت سمجھتے ہیں۔

تکبر کا نشہ شراب کے نشہ سے زیادہ خطرناک ہے

تو حضرت نے فرمایا کہ اصلاح بغیر شیخ کے نہیں ہوتی، نہ عبادت سے ہوتی ہے، نہ علم سے ہوتی ہے، شراب چھوڑنا آسان ہے کیونکہ خاندان بھی طعنہ دے رہا ہے، محلے والے بھی طعنہ دے رہے ہیں، برادری بھی بائیکاٹ کیے ہوئے ہے کہ یہ شرابی ہے لہٰذا شراب چھوڑنا آسان ہے، کبھی مخلوق کے ڈر سے یا خاندانی شرافت اور بدنامی کے خوف سے آدمی ظاہری گناہ چھوڑ دیتا ہے لیکن تکبر کا نشہ، اپنے کو بڑا سمجھنے کا نشہ شراب سے زیادہ حرام ہے لیکن اس کا پتہ خود اس کو نہیں ہوتا، وہ تو اہل اللہ ایکسرے کرتے ہیں تب پتہ چلتا ہے کہ اس کے اندر بڑائی کا نشہ آ گیا ہے، یہ بات مسیح اللہ خان صاحب نے فرمائی کہ شراب حرام ہے مگر تکبر اس سے زیادہ حرام ہے کیونکہ شرابی اپنے کو حقیر سمجھتا ہے، اس کو کبھی شراب سے توبہ نصیب ہو سکتی ہے، لیکن تکبر والا مریض جب تک اہل اللہ کی صحبت نہیں پاتا اسے اپنے مرض کا بھی پتہ نہیں چلتا، وہ اپنے ہر قدم کو بالکل صحیح سمجھتا ہے، جتنا بھی ظلم کرے وہ سمجھتا ہے کہ سب صحیح ہے، جھوٹ بولو وہ بھی صحیح، کسی کی پٹائی کر دو وہ بھی صحیح، کسی کے مال پر قبضہ کر لو سب جائز لہٰذا تکبر کا نشہ شراب کے نشے سے زیادہ خطرناک ہے۔

انسانوں کو شیطان کے دو سبق

پھر مولانا مسیح اللہ خان صاحب نے بڑی عمدہ بات فرمائی کہ شیطان نے دو سبق دے دیئے، شیطان مردود تو ہوا لیکن قیامت تک کے انسانوں کو دو سبق دے گیا اور یہ سبق بھی قصداً نہیں دیئے ورنہ جو خود سراپا شر ہو اس سے خیر کی توقع کہاں، مگر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تکوینی طور پر اس کا شر انسانوں کے لیے خیر بن جائے، جیسے کسی کوئی آدمی سنکھیا کھا کر مر جائے تو دوسروں کو سبق مل جاتا ہے کہ بھئی ہم سنکھیا نہ کھائیں گے، حالانکہ کھایا اس نے، مرا وہ لیکن جب وہ سنکھیا سے مر گیا تو سبق ملا کہ سنکھیا کھانا اچھا نہیں ہے، برا ہے، اسی طرح شیطان خود تو مردود ہوا لیکن اس سے انسانوں کو دو سبق مل گئے، ایک تو عبادت کرنے والوں کو سبق ملا کہ شیطان بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ دیکھو عبادت کا نشہ اگر تمہیں آگیا تو مجھ سے زیادہ عبادت تمہاری نہیں ہوسکتی، شیطان نے لاکھوں سال عبادت کی ہے، ہزاروں سال تو آپ سنتے ہی رہتے ہیں ؎

ہزاروں سال گر سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

لیکن لاکھوں کا لفظ مولانا کے منہ سے نکلا ہے کہ اے عبادت کرنے والو! اشراق، اوّابین اور تہجد پڑھ کر اور زیادہ تسبیح پڑھ کر اپنے کو بڑا نہ سمجھ لینا، میں نے بڑی عبادت کی تھی لیکن تکبر کے نشہ سے مردود ہوا ہوں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سب کو سکھا دیا کہ پڑھو **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی شیطان مردود سے۔ تو شیطان کا مردود ہونا ایک سبق تو عابدوں اور صوفیوں کو دے گیا جو بڑی ضربیں لگاتے ہیں کہ اے عابدو! میں نے بڑی عبادت کی ہے لیکن مجھے مربی و مزکی اور شیخ نہیں ملا اس لیے میں مردود ہو چکا ہوں اور اے مولویو! تمہارے علم سے میرا علم زیادہ تھا لیکن میرے سر پر مربی نہیں تھا اس لیے میں مردود ہو گیا ہوں فرمایا کہ عابدوں کو بھی سبق دے دیا اور مولویوں کو بھی

سبق دے دیا۔ مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی نے یہ دو جملے فرمائے کہ شیطان عالم بھی تھا، عابد بھی تھا، اس کا علم بہت زیادہ تھا، ہم لوگوں کو تو اپنے ایک نبی ہی کا علم پورا حاصل نہیں ہے اور اس کو تو تمام نبیوں کی شریعت کا علم ہے، پرانا پاپی ہے، بابا آدم سے لے کر آج بھی موجود ہے اور قیامت تک کی چھٹی لی ہوئی ہے، اس کو تو تمام نبیوں کی کلیات اور جزئیات سب زبانی یاد ہیں لیکن اس کے باوجود مربی ومزکی نہ ہونے سے انا نہیں گئی تو فرمایا نفس مٹتا ہے کسی شیخِ کامل کی صحبت سے ورنہ عبادت سے اور نشہ آتا ہے اور فرمایا کہ شراب کا نشہ تو حرام ہے ہی لیکن تکبر کا نشہ اس سے زیادہ حرام ہے کیونکہ شراب کا نشہ چھوٹ جاتا ہے، اس کو برا کہنے والے بہت لوگ ہوتے ہیں کہ بھئی کیا کر رہے ہو، خاندان کی عزت ڈبو رہے ہو مگر کبر پر کوئی طعن وتشنیع کرنے والا نہیں ہوتا، اندر ہی اندر اس کے کبر کا نشہ اسے مست رکھتا ہے، ہر بات میں وہ اپنے لیے دلیل گھڑ لیتا ہے، قرآن وحدیث کے رنگ میں اپنے کبر کو فٹ کر لیتا ہے کہ یہ غیرتِ دینی ہے اس لیے مجھے غصہ آرہا ہے، ہر چیز پر اس کو آیت نظر یاد آتی ہے، اپنی ہر نالائقی پر قرآن وحدیث سے دلیلیں لے کر آتا ہے۔

حکیم الامت سے ایک عالم نے کہا کہ حضرت ہم بخاری پڑھاتے ہیں تو کیا ہم خود اپنا تزکیہ نہیں کر سکتے؟ کیا بخاری شریف سے تزکیہ نہیں ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کہ مولانا یہ بتائیے کہ تزکیہ فعلِ لازم ہے یا فعلِ متعدی؟ کہا میں سمجھ گیا حضرت! تزکیہ فعلِ متعدی ہے، فعلِ لازم تو اپنے فاعل پر تمام ہوسکتا ہے لیکن فعلِ متعدی اپنے فاعل پر تمام نہیں ہوسکتا، تزکیہ کا فعل تام نہیں ہوسکتا جب تک کوئی مزکی نہ ہو۔

تعلیمِ قرآن وحدیث اور تزکیہ......نبوت کے تین مقاصد

نبوت کے مقاصد کے لیے تین جملے قرآن میں موجود ہیں نمبرا یَتْلُوْا

عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ اس سے مکاتبِ قرآنیہ کا ثبوت ملتا ہے کہ وہاں قرآن پاک کے الفاظ کی حفاظت کی جاتی ہے، حافظ بنایا جاتا ہے، تلاوت کی جاتی ہے، آدابِ تلاوت، تجوید حروف اور معرفتِ وقوف بتائے جاتے ہیں، نمبر۲ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ نبی کتاب کی تعلیم دیتے ہیں تو اس میں دارالعلوم وغیرہ سب داخل ہیں جہاں قرآن کے معانی، تفاسیر، شروحاتِ حدیث وغیرہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ جلدوں میں بخاری کی شرح لکھی ہے، تصوف ہر کتاب میں موجود ہے مگر تصوف میں چونکہ پابندی ہے اور عمل کرنا پڑتا ہے اس لیے اہلِ علم گھبراتے ہیں ورنہ ان کے پاس کوئی دلیل اس سے جان چھڑانے کی نہیں ہے، تصوف کے تمام مسائل قرآن و حدیث اور تفسیر میں موجود ہیں۔

شعبۂ تزکیۂ نفس کی اہمیت

تو نبوت کے مقاصد میں سے قرآن کے مدرسے ہو گئے، تعلیمِ کتاب یعنی علومِ دینیہ کے لیے دارالعلوم ہیں مگر يُزَكِّيۡهِمۡ کا مدرسہ کہاں ہے؟ یہ خانقاہیں تزکیۂ نفس کے لیے ہیں، پہلے یہ تینوں ساتھ تھے لیکن اب فردِ واحد سے اتنا کام نہیں ہوسکتا کہ وہ تجوید بھی پڑھائے، حفظ بھی کرائے، قرآن کی تفسیر و احادیث بھی پڑھائے، فتوے بھی دے اور لوگوں کی اصلاح کا کام بھی کرے کیونکہ آج کل انسان کے قویٰ ضعیف ہوگئے ہیں۔

اور شعبۂ تزکیۂ نفس کا کام کیا ہے؟ کسی اللہ والے سے اپنے نفس کی اصلاح کرانا۔ یہی چیز تھی جس کے لیے مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسبِ فیض کیا اور یہی چیز تھی جس کے لیے تبلیغی اسفار کے بعد حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اکابر کی

خدمت میں حاضر ہوتے تھے جیسے سو میل کار چلے تو گرد و غبار صاف کرانے کے لیے گیرج میں ٹیوننگ کرانا ضروری ہو جاتا ہے، اسی طرح لوگوں سے میل جول سے نفس پر بھی گرد و غبار لگ جاتا ہے، نفس میں کچھ بڑائی آجاتی ہے کہ میں نے دین کے لیے یہ کیا اور اتنے آدمی میرے ہاتھ پہ مسلمان ہوئے، مجھ سے اتنا کام ہوا، اس لیے اللہ والے سکھاتے ہیں کہ نیکی کر کنویں میں ڈال یعنی نیکی پر نظر نہ ہو، نظر صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ہو، اس کے لیے نفس کو مٹانا ضروری ہے، یہ خود سے نہیں مٹتا جب تک کہ کوئی مٹانے والا نہ ہو۔ علم اور عبادت یہ دو چیزیں نفس کو اور بڑھا دیتی ہیں۔ مولانا مسیح اللہ خاں صاحب نے یہی بتایا کہ علم اور عبادت کے نشہ سے نفس نہیں مٹتا بلکہ نفس اور پھولتا ہے، یہ صرف شیخ کی صحبت سے مٹتا ہے، جب ایک بندہ ایک بندے کی غلامی کرتا ہے تو نفس کو بہت شاق گذرتا ہے کہ میں بھی بندہ یہ بھی بندہ، اب اگر شیخ نے کسی مصلحت کی وجہ سے کہہ دیا کہ آج کل نوافل مت پڑھنا تو دل چاہے یا نہ چاہے شیخ کی بات ماننی ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک عالم کو ان کے شیخ نے فتویٰ دینے، وعظ کہنے اور درسِ بخاری سے منع کر دیا اور کہا کہ آپ فتویٰ نہیں دے سکتے، وعظ نہیں کہہ سکتے، حدیث نہیں پڑھا سکتے، شیخ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مرید کے نفس میں بڑائی آگئی ہے۔ محدثِ عظیم ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں جو گیارہ جلدوں میں ہے یہ واقعہ لکھا ہے کہ اس وقت کے بعض علماء نے اس شیخ کو کفر کا فتویٰ دے دیا، لیکن ایک سال کے بعد جب شیخ کو محسوس ہو گیا کہ اب مرید کا نفس مٹ گیا ہے تو بیان کرنے کی اجازت دے دی تو پہلے ہی وعظ سے سامعین کا جتنا مجمع تھا سب صاحبِ نسبت ہو گیا حالانکہ اس سے پہلے دس سال تک جگہ جگہ تقریر کی تھی مگر دس سال تک وہ نفع نہیں ہوا جو ایک سال شیخ کے یہاں نفس کو مٹانے اور رگڑا لگانے کے بعد ہوا۔

نفس کی حیلولت کی تمثیل

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے مستفیض ہے یعنی چاند کی روشنی ذاتی نہیں ہے، سورج کی شعاعوں سے چاند روشن ہے لیکن بیچ میں زمین کی حیلولت ہے، جتنا زمین کا گولہ چاند اور سورج کے بیچ میں آتا جاتا ہے چاند بے نور ہوتا چلا جاتا ہے، جس دن زمین کا گولہ چاند اور سورج کے درمیان میں پورا آجاتا ہے چاند میں ایک ذرّہ روشنی نہیں رہتی اور زمین کا کُرہ چاند اور سورج کے درمیان سے جتنا جتنا ہٹتا جاتا ہے اتنا ہی چاند روشن ہوتا جاتا ہے۔ تو نفس کا گولہ جو ہے یہی اصل میں حجاب ہے ورنہ دل چودھویں رات کی چاند کی طرح اللہ کے نور سے روشن ہوجائے۔ اسی لیے نفس کے گولے کو مٹانے کی ضرورت ہے، اگر کسی نے نوّے فیصد نفس مٹا دیا لیکن اگر دس فیصد بھی نفس زندہ ہے تو قلب کا دس فیصد حصہ بے نور رہے گا جس طرح چاند کا اتنا کنارہ بے نور ہوتا ہے جتنے میں زمین کا گولہ حیلولت کرتا ہے اور جنہوں نے نفس کے گولے کو پورا مٹا دیا یعنی نفس کی حیلولت ہی ختم کردی تو ان کے دل کا چاند نسبت مع اللہ کے نور سے سو فیصد روشن ہوگیا، وہ سراپا نور بن گئے اور ان کی صحبتوں میں آپ دیکھئے کیا اثرات ہیں۔ تو درس وتدریس و وعظ سب کاموں کے ساتھ افنائے نفس کی ضرورت ہے۔ اس بات کو شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بھئی بغیر شیخ کے نہ گناہ چھوٹتے ہیں اور نہ تقویٰ حاصل ہوتا ہے چاہے کتنے ہی وظیفے پڑھ لو لیکن گناہ نہیں چھوٹتے، تقویٰ کا راستہ اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! تقویٰ کی حیات تم کو ملے گی اہل اللہ کی صحبت سے، كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ سے اور صادقین کے معنیٰ متقین کے ہیں، اب اگر کوئی کہے کہ صادق کے معنیٰ متقی کہاں ہیں؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ تو دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کی تفسیر فرمادی

اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ جو لوگ صادق ہیں یہی متقی ہیں، دونوں میں کلّی متساوبین کی نسبت ہے، ہر صادق متقی اور ہر متقی صادق ہوتا ہے۔ پس متقی کے ساتھ بیٹھنے سے اس کے قلب کے تقویٰ کا اثر اس پر پڑتا ہے ورنہ دیکھا گیا ہے کہ ویسے تو عبادت میں بہت محنت کی، اسّی برس تک وعظ کہا، اسّی برس تک بخاری پڑھائی، اسّی برس تک اذان دی مگر جب گناہ کا معاملہ آیا تو کہیں حُبِّ جاہ میں مبتلا ہوگیا، کہیں بدنگاہی میں مبتلا ہوگیا لیکن وہ لوگ جو اہل اللہ کی صحبت اُٹھائے ہوئے ہیں اُن کو آپ مقامِ تقویٰ پر فائز پائیں گے۔ بہرحال جاہی اور باہی دونوں روحانی بیماریوں سے بچنے کے لیے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کے سوا چارہ نہیں۔

علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی تفسیر فرمائی ہے کہ متقین کے ساتھ کتنا رہو؟ فرماتے ہیں خَالِطُوْا ھُمْ لِتَکُوْنُوْا مِثْلَھُمْ اللہ والے اور متقی بندوں کے ساتھ اتنا رہو حَتّٰی تَکُوْنُوْا مِثْلَھُمْ کہ تم ان جیسے ہوجاؤ یعنی تقویٰ کی ویسی ہی کیفیت پیدا ہوجائے، مگر اس کے لیے وقت چاہیے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک روایت نقل فرماتے ہیں:

﴿مَا فُضِّلَ اَبُوْ بَکْرٍ النَّاسَ بِکَثْرَۃِ عِبَادَۃٍ وَلَا بِکَثْرَۃِ فَتْوٰی وَ لَا بِکَثْرَۃِ رِوَایَۃٍ وَلٰکِنْ بِشَیْءٍ مَّا وُقِّرَ فِیْ صَدْرِہٖ﴾

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ زیادہ نفلیں پڑھی تھیں، نہ زیادہ روایات نقل کی تھیں، نہ ان کی دیگر نفلی عبادات بہت زیادہ ہیں لیکن ان کے سینے میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک عظیم الشان درد تھا کہ ہر وقت اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر رسولِ خدا پر فدا کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے پاس رہنے سے کیا ملتا ہے؟ علماء بھی کہتے ہیں کہ صاحب درس نظامیہ میں دس

سال لگا کر ہم پاس ہوئے ہیں، اب مزید چالیس دن، چھ مہینے کسی اللہ والے کے پاس کیوں لگائیں؟ لیکن ان کو یہ نہیں معلوم کہ تمہارے وہ دس سال جبھی کامیاب ہوں گے جب اہل اللہ کی صحبت مل جائے گی ورنہ منبر ہوگا، تقریر ہوگی مگر اس تقریر میں روح نہیں ہوگی، علم کا گولہ ہوگا مگر اس میں اللہ کے دردِ محبت کا رس نہیں ہوگا، اصل میں رس گلہ مرکب لفظ ہے، رس اور گولہ سے، اب اگر خالی گولہ ہو اور اس میں رس نہ ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ صاحب بڑے خشک ملّا ہیں۔

آپ علماء لوگ خود کہتے ہیں کہ صاحب آج کل ملاؤں کی قدر نہیں ہے، تو چونکہ تم خالی گولہ کھلا رہے ہو جس میں رس نہیں ہے اس لیے لوگوں کو مزہ نہیں آتا ورنہ رس گلہ ذرا مرکب کھلاؤ پھر دیکھو امت تمہارے پیچھے کیسے نہیں پھرتی، امت تمہاری جوتیاں سر پر رکھے گی ان شاء اللہ۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے اکابر جو ابھی زندہ ہیں مفتی محمود الحسن گنگوہی، مولانا ابرار الحق صاحب یہ حضرات جہاں بیٹھتے ہیں آپ دیکھتے ہیں وہاں سب لوگ ان کو گھیر لیتے ہیں، کیوں؟ کیونکہ وہ رس گلہ کھلاتے ہیں، جو مدرسوں سے خالی گولہ پڑھ کے آتے ہیں اور اللہ کی محبت کا رس لیتے نہیں وہ اعلان تو کرتے ہیں کہ آج رس گلہ کھلائیں گے لیکن جب کھلاتے ہیں تو اس میں رس نہیں ہوتا، اس لیے لوگ کہتے ہیں کہ بھئی مولویوں کے پاس کیا رکھا ہے، یہ بڑے خشک ہوتے ہیں۔ اللہ والوں کی صحبت پر میرا ایک شعر ہے ؎

دل چاہتا ہے ایسی جگہ میں رہوں جہاں\
جیتا ہو کوئی درد بھرا دل لیے ہوئے

جس کے دل میں خدائے تعالیٰ نے اپنی محبت کا ایک ذرّہ درد عطا فرمایا ایسے اللہ والے کے ساتھ ایک رات بھی رہ کر دیکھ لو پھر معلوم ہوگا کہ اس کے پاس کیا چیز ہے۔

تفسیر آیت و ما نقموا منھم ...... الخ

یہی وہ دردِ دل ہے جس کے لیے اہل اللہ نے بڑی بڑی مشقتیں جھیلی ہیں، جان کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ اس کو حق تعالیٰ نے عاشقانہ انداز سے اپنے عاشقوں کے لیے فرمایا و ما نقموا منھم ان کا کوئی جرم نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کو آگ میں ڈالا جا رہا ہے مگر ان کا ایک جرم ہے اِلَّا اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ یہاں ان کی محبت کو بظاہر جرم سے تعبیر کیا لیکن اس کا نام بلاغت میں تَاکِیْدُ الْمَدْحِ بِمَا یَشْبَہُ الذَّمَ ہے یعنی مدح کو مؤکد کرنا اس عنوان سے کہ جو ذم کے مشابہ ہو، برائی کے مشابہ ہو یعنی حقیقتاً تعریف کی گئی ہو مگر معلوم ہوتا ہو کہ برائی کی جا رہی ہے۔ پس حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ کوئی جرم انہوں نے نہیں کیا مگر ایک جرم ہے، بتائیے یہ عنوان کیسا ہے؟ بظاہر تو گھبرانے والا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چوری وغیرہ کی ہے مگر اس جرم کی تعبیر ایسی کی ہے کہ وہ بتا دیتی ہے کہ یہ جرم نہیں ہے اِلَّا اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ان کا جرم صرف یہ ہے کہ یہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، تو یہ مدح ہے یا ذم ہے؟ علماء بلاغت نے اس کا نام رکھا ہے تَاکِیْدُ الْمَدْحِ بِمَا یَشْبَہُ الذَّمَ یعنی مدح کو مؤکد کرنا اس عنوان سے جو ذم کے مشابہ ہو یعنی بظاہر ذم ہو اور حقیقتاً اس میں مدح کو نہایت مؤکد اور متحقق کر دیا گیا ہے اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے تَاکِیْدُ الذَّمِّ بِمَا یَشْبَہُ الْمَدْحِ یعنی برائی کو مؤکد کیا جاتا ہے تعریف کے ساتھ جیسے کہ فرعون سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے:

﴿ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ﴾

(سورۃ الدخان، اٰیۃ: ۴۹)

جہنم کا مزہ چکھ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ تو بہت زبردست طاقت والا بنتا تھا اور بڑا معزز تھا تو عزیز اور کریم اس کے لیے بھی لائے ہیں، جیسے کوئی کسی کو جوتے

سے پیٹ رہا ہو اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہو کہ آپ بڑے معزز آدمی ہیں اور پھر ایک جوتا لگایا اور کہا کہ آپ بہت معزز آدمی ہیں اور ایک جوتا اور لگایا، جوتے پر جوتا مار رہا ہے مگر زبان سے یہ کہہ رہا ہے کہ آپ تو بہت معزز آدمی ہیں تو اس کا نام ہے تَاکِیدُ الذَّمّ بِمَا یَشْبَهُ الْمَدْحِ یعنی مدح کے مشابہ اس ذم کو مؤکد کر رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں **عزیز** اور **حمید** دو صفات بیان فرمائیں کہ یہ میرے عاشق لوگ جو ہیں ان کا ایک ہی جرم ہے کہ یہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ اصل میں یہاں ایمان بمعنی محبت کے ہے اور **حمید** کے معنیٰ ہیں قابلِ حمد اور حمد کی چار قسمیں ہیں نمبر ۱ بندہ بندے کی تعریف کرے نمبر ۲ بندہ خدا کی تعریف کرے نمبر ۳ خدا بندے کی تعریف کرے نمبر ۴ خدا خود اپنی تعریف کرے، دنیا میں حمد کی یہی چار صورتیں ہیں پانچویں کوئی صورت نہیں ہے، دنیا میں جتنی بھی تعریف ہوتی ہے سب انہی چار اقسام پر منقسم ہے اور بالآخر سب تعریفیں اللہ ہی کو پہنچتی ہیں، یہ چاروں قسمیں دراصل ایک اللہ ہی کی تعریف ہے، الحمدللہ کے معنی ہیں کہ سب تعریفیں خاص ہیں اللہ کے لیے، حمید بمعنی محمود ہے یعنی قابلِ تعریف ذات، یہ چاروں قسمیں خاص ہیں اللہ کے ساتھ، بندہ کہاں سے اپنی تعریف لائے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا میں مجھ سے زیادہ محبت کے قابل کوئی ہے بھی نہیں کیونکہ تم جتنی تعریفیں کرتے ہو وہ سب ہم تک پہنچتی ہیں، اگر تم کسی کی آنکھ کی تعریف کرتے ہو یا کسی کے بال کی تعریف کرتے ہو، کسی معشوق کے قد و قامت کی تعریف کرتے ہو اور اس کی قامت کو قیامت قرار دیتے ہو تو اصل میں سب ہماری ہی تعریف ہو رہی ہے کیونکہ یہ سب قد و قامت ہم ہی نے تو بنایا ہے، اب قامت پر ذرا میرا ایک شعر سن لیجیے ؎

اُس کی قامت ہے یا قیامت ہے
اُس کو دیکھے گا جس کی شامت ہے

یعنی ان پر وہی نظر ڈالے گا جس کی شامت آئی ہوگی، غرض ساری تعریفیں اللہ تک پہنچتی ہیں تو معلوم ہوا کہ محبت کے قابل اللہ ہی کی ذات ہے، اگر تم آگ میں ڈالے گئے ہو تو تم سے میری محبت کا حق پھر بھی ادا نہیں ہوسکتا اور ہم زبردست طاقت والے ہیں۔

شہادت............عاشقوں کی تاریخِ عشق و وفا

اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو دنیا میں کوئی نبی اور ولی شہید نہ ہوتا، ہم ایک فرشتے سے سب کافروں کا گلا کٹوا دیتے، فرشتہ ایک چیخ مارتا تو سب مر جاتے لیکن مجھے ان کو مقامِ شہادت دینا تھا، اپنے عاشقوں کا مقام قیامت تک دِکھانا ہے کہ یہ آگ میں جل جاتے ہیں، اپنی گردن کٹوا دیتے ہیں، اپنا خون بہا دیتے ہیں مگر میرے عشق سے دستبردار نہیں ہوتے، اگر اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو صرف حلوہ کھلا کر رکھتے تو دنیا یہی کہتی کہ یہ محبت ہم نہیں مانتے، اللہ نے ان کو ہمیشہ حلوہ اور انڈا کھلایا ہے اسی لیے یہ اللہ سے محبت کرتے ہیں لیکن اللہ نے نبیوں کا خون بہا کر، ان کی گردنیں کٹوا کر یہ ثابت کردیا کہ میرے عاشق میری محبت میں اپنی گردنیں تک کٹوا دیتے ہیں، جنگِ اُحد میں ایک دن میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ کتنے لوگ آگ میں ڈالے گئے مگر انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم ایمان سے دستبردار ہوتے ہیں، ہم کو آگ میں مت ڈالو، سب ایمان پر قائم رہتے ہوئے اس جہان سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ کو یہ دِکھانا ہے کہ میری ذات عزیز وحمید ہے یعنی میں زبردست طاقت والا ہوں لیکن اس کے باوجود تمہارا مقامِ عشق و مقامِ محبت اور مقامِ وفاداری تاریخ کے اوراق میں لکھوانا چاہتا ہوں ورنہ ہم تمہیں بچا سکتے ہیں، اس آگ کو ٹھنڈا کرسکتے ہیں، آگ کو ٹھنڈا کرنا کیا ہے ان کافروں کو تباہ کرنے کے لیے ہمارا ایک حکم کافی ہے لیکن ہم قیامت تک تمہاری وفاداری کے مقام کو تاریخ کے اوراق میں لکھوانا چاہتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ شہید کی روح ایسے نکلتی ہے جیسے چیونٹی کاٹتی ہے یعنی اس کو کچھ تکلیف نہیں ہوتی اور اس کے بعد فوراً جنت مل جاتی ہے، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے آگ میں ڈال دیا اور قتل کر دیا حالانکہ وہ جنت میں ٹہل رہے ہیں اور قیامت کے دن شہید اس حالت میں اُٹھائے جائیں گے کہ ان کے زخموں سے خون بہتا ہوگا، حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہوئے بھی شہیدوں سے پوچھیں گے یہ خون کیوں بہہ رہا ہے، یہ عجیب ادا ہے، یہ بھی محبوبانہ ادا ہے، اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ یہ خون کیسے بہہ رہا ہے؟ حالانکہ جانتے ہیں کہ میری ہی راہ میں سب کچھ ہوا لیکن اس سوال سے ان کے عاشقوں کو اتنا مزہ آئے گا اور اس کا جواب دینے میں اتنا مزہ آئے گا کہ اے خدا! آپ کی راہ میں یہ سب کچھ ہوا، اور ان کے زخموں سے تازہ خون بہتا رہے گا۔

شہادت کے متعلق ایک جدید علم

تو صرف دنیا کی تاریخ کے اوراق میں ان کی وفاداری رجسٹرڈ نہیں ہوئی بلکہ میدانِ محشر میں بھی جب ساری کائنات موجود ہوگی اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی داستانِ محبت کو نشر کریں گے کیونکہ یہ تاریخ اُن کی نظروں سے نہیں گذری جو قبروں میں یہ تاریخ رقم ہونے سے پہلے پہنچ گئے تھے لہٰذا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سارے عالم کو جمع کر دیں گے اور میدانِ محشر میں اپنے عاشقوں کی وفاداری کو ماضی حال اور مستقبل کے سارے انسانوں کو دکھائیں گے کہ دیکھو یہ ہیں ہمارے عاشق کہ ابھی تک ان کا خون بہہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آج مجھے یہ ایک نیا عنوان عطا فرمایا کہ شہیدوں کا تذکرہ خالی دنیا کی تاریخ میں نہیں رقم کیا جائے گا کیونکہ جو ماضی میں گذر گئے ان کو کیسے پتہ چلے گا کہ ان کے بعد اللہ کے کس عاشق کی گردن کٹی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے اپنے عاشقوں کی اس وفاداری کو بیان فرمایا کہ قیامت

کے دن جب شہیدوں کو اٹھایا جائے گا تو ان کے زخموں سے تازہ خون بہتا ہوگا، کسی کی گردن کٹی، کسی کا ہاتھ کٹا، کسی کے تیر لگے، سب کو اسی حالت میں اٹھایا جائے گا تاکہ دنیا میں جو تاریخ انہوں نے اپنے خون سے لکھی تھی آخرت میں بھی عشق و وفاداری کی یہ تاریخ سارے عالم پر روشن ہو جائے کیونکہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے سارے انسان جمع ہوں گے، اس دن اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی قدر و قیمت لگائیں گے کہ دیکھو میں نے تم کو یہ عزت بخشی۔

آیت شریفہ میں اسماء صفاتیہ عزیز وحمید کے نزول کی حکمت

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفت بیان کیں، ایک **عزیز** یعنی زبردست طاقت والا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ اپنے عاشقوں کی حفاظت سے مجبور تھا کہ وہ آگ میں جل رہے تھے اور اللہ عاجز ہو کر نعوذ باللہ حفاظت پر قادر نہ تھا۔ اس لیے فرمایا کہ میں زبردست طاقت رکھتا ہوں، میں تمہیں دشمنوں کے ستم سے بچا سکتا تھا لیکن تمہاری وفاداری تاریخ میں روشن نہ ہوتی، تمہاری غلامی، تمہاری بندگی کی شان ظاہر نہ ہوتی کہ میرے عاشق ایسے ہوتے ہیں اس لیے میں دنیا کو تمہارا مقامِ عشق ومحبت دِکھانا چاہتا ہوں ورنہ میں زبردست طاقت والا ہوں، آگے اللہ تعالیٰ نے اسمائے صفاتیہ میں سے دوسری صفت **حمید** ذکر فرمائی یعنی میری شانِ حمد اور شانِ محمودیت اور شانِ حسن کا تقاضا یہ تھا کہ تمہاری گردنیں کٹیں اور خون بہے اور میں تاریخِ عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت دونوں جہان میں تمہاری محبت کا جھنڈا لہرا دوں کہ ایسے ہوتے ہیں میرے عاشق، تو میں زبردست طاقت والا اور زبردست قابلِ حمد ہوں یعنی دنیا میں اور کوئی حمد کے قابل نہیں ہے سوائے اللہ کے کیونکہ اگر آج کسی کے حسن کی تعریف کرتے ہو تو کل اس کا زوالِ حسن دیکھ کر بھاگتے ہو یعنی جوانی میں جس آنکھ اور گال اور بال پر عاشق

ہوئے تھے جب ستر سال کی عمر میں وہ بڑھیا ہو کر آئی تب اسے دیکھ کر کہتے ہو۔

بگڑا ہوا جغرافیہ دیکھا نہیں جاتا
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرا جغرافیہ نہیں بدلتا کُلَّ یَوۡمٍ هُوَ فِیۡ شَاۡنٍ ہر وقت میری نئی نئی شانیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں، یہ ہے مخلوق اور خدا میں فرق۔

میں اُن کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتا دے
لا مجھ کو دِکھا ان کی طرح کوئی اگر ہے

تو یہاں حمید نازل فرما کر بتا دیا کہ اپنی عظمتِ شان کی وجہ سے صرف میں ہی قابلِ حمد ہوں اور میرے عاشقوں نے اپنا خون بہا کر میری حمد کی ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب کی زبان میں ایسا اثر تھا کہ ان کی تقریر سننے اتنا بڑا مجمع آیا تھا کہ میں نے لاہور میں اتنا بڑا مجمع کبھی نہیں دیکھا تھا، تو مولانا مسیح اللہ خان صاحب نے یہ بات فرمائی کہ شیطان سے دو سبق لے لو، شیطان مردود ہو کر دو سبق دے گیا، اس کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ اس نے کوئی اچھا کام کیا جیسے سنکھیا کھا کے کوئی مر جائے تو آدمی کہتا ہے کہ خدا بچائے میں سنکھیا ہرگز نہیں کھاؤں گا اور نہ اپنے بچوں کو کھانے دوں گا اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ سنکھیا کی تعریف ہو رہی ہے، تو شیطان کی مردودیت سے دو طبقوں کو سبق ملا، ایک عابدوں کو دوسرے عالموں کو۔ عبادت کرنے والوں کو یہ سبق ملا کہ دیکھو میں نے لاکھوں سال عبادت کی مگر میری تربیت نہ ہونے سے اور اللہ والوں کی صحبت نہ اٹھانے سے تکبر کا مرض نہیں گیا بلکہ عبادت کرنے سے تکبر کا نشہ اور بڑھ گیا۔

ایک صاحب کو حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اللہ اللہ کا ذکر بتایا، جب انہوں نے اللہ اللہ شروع کیا تو مزاج میں اور بڑائی آ گئی جیسے کسی کو قے ہو رہی ہو، ملیریا ہو، پیٹ میں صفراء ہو تو وہ حلوہ یا انڈا یا دودھ یا مچھلی کھاتا

ہے سب فاسد مادّہ بن جاتا ہے، اگر پیٹ میں انفیکشن ہے، زہریلا مادہ ہے تو جو دودھ وغیرہ پیئے گا سب زہر بن جاتا ہے تو چونکہ اس شخص کے مزاج میں پہلے ہی سے تکبر تھا لہٰذا جب حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے اس کو ذکر بتایا تو عبادت کرنے سے اس کے مزاج میں اور اکڑ آ گئی، اس نے کہا اب تو میں اللہ اللہ بھی کرتا ہوں لہٰذا اب سب کو ڈانٹنا شروع کر دیا کہ تم نے یہاں کیوں نماز پڑھ لی؟ یہاں لوٹا کیوں رکھ دیا؟ یہاں اپنی تسبیح کیوں ٹانگ دی؟ اور تم زور سے کیوں ذکر کر رہے ہو؟ تم کیوں رو رہے ہو؟

بغیر شیخ کے اصلاح نہیں ہوتی

ایک دن حکیم الامت نے دیکھ لیا اور بلا کر فرمایا کہ یہاں آئیے، آپ یہاں مریض ہیں یا حکیم ہیں؟ یہ اشرف علی یہاں کس لیے بیٹھا ہوا ہے؟ مریض کی حیثیت سے آپ کو خاموش رہنا چاہیے تھا، اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے تھا، میرا کیپسول کھاتے اور آرام سے بیٹھتے، یہ تم نے تھانہ بھون میں حکومت شروع کر دی، میں یہاں کس لیے بیٹھا ہوں، یہ لوگ تمہارے پاس آئے ہیں یا میرے پاس آئے ہیں، میری ڈانٹ سننے کے لیے آئے ہیں یا تمہاری پکڑ دھکڑ سننے کے لیے آئے ہیں، معلوم ہوا کہ تمہارے مزاج میں تکبر ہے، تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں عمدہ غذا کھلائی جائے، ابھی تمہیں جلاب دینا پڑے گا، تمہارے پیٹ سے صفرا نکالنا پڑے گا لہٰذا آج سے تمہارا ذکر ملتوی۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ دیکھو میں نے ذکر کے لیے لفظ ملتوی اختیار کیا یعنی فی الحال ذکر بند کر دو، ترک کا لفظ نہیں اختیار کیا کہ ذکر کو ترک کر دو کیونکہ اللہ کے نام کے ساتھ لفظ ترک استعمال کرنا میں بے ادبی سمجھتا ہوں کیونکہ ترک کا لفظ چھوڑنے کے معنیٰ میں آتا ہے جیسے آج کل لوگ کہتے ہیں کہ آیئے میری موٹر میں بیٹھ جایئے میں آپ کو چھوڑ دوں، میں کہتا ہوں خدا کے لیے مجھے چھوڑیئے مت، پہنچا دیجئے۔

تو حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے ان صاحب سے فرمایا کہ تمہارا ذکر ملتوی کرتا ہوں اس وقت تک جب تک کہ مجھے اطمینان نہ ہو جائے کہ تمہارا تکبر چلا گیا اور دوسرا نسخہ یہ ہے کہ جتنے نمازی ہیں ان کے جوتے سیدھے کرو اور وضو خانے کی نالی میں نمازیوں کا جو بلغم وغیرہ ہے وہ صاف کرو، ذکر کے بدلہ اب یہ کام کرنے کو ملے گا، دوا بدل گئی پہلے کونین دی جائے گی حلوہ نہیں کھلایا جائے گا، کونین کڑوی ہوتی ہے جس کا ایک نام ریسوچین بھی ہے، جب ریسوچین کھائی تو چین آیا یعنی روحانی ملیریا کا جو مادّہ تھا وہ نکلا، جب تکبر نکلا تو دل میں سکون اور ان کے اخلاق میں نرمی آگئی، غصہ میں اعتدال آنے لگا، ڈانٹ ڈپٹ سب ختم ہوگئی، اب خاموشی سے نالی صاف کررہے ہیں اور جوتیاں سیدھی کررہے ہیں، ایک زمانے بعد تکبر سے نجات مل گئی اور اللہ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا، ان کو بہت نوازا اور وہ بہت بڑے ولی اللہ ہوئے۔

ایک عالم صاحب ایک بزرگ کے پاس آئے، ان کے اندر بھی یہی مرض تھا، ان کو علم کا نشہ ہوا تو انہوں نے خط میں اپنے مرشد کو حال لکھا کہ حضرت آج کل ذکر میں مزہ نہیں آرہا، شیخ نے اندازہ لگا لیا فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے آپ کی تقریروں سے آپ کی تعریف ہوئی ہے اور درس و تدریس پر زیادہ تعریفیں سننے سے آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے لہٰذا آپ اب ذکر کو ملتوی کیجئے اور پانچ کلو اخروٹ خریدیئے اور سر پر رکھیے اور جس محلے میں بچے بہت زیادہ ہوں وہاں بیٹھ جایئے اور سب بچوں سے کہیے جو میرے سر پر ایک تھپڑ مارے گا اس کو ایک اخروٹ دوں گا، بچوں کو تو دو قسم کے مزے آگئے تھپڑ مارنے کا مزہ الگ اور اخروٹ ملنے کا الگ، انہوں نے وہ دھول لگائی کہ سر سے پگڑی ادھر جا گری اور اور ٹوکرا خالی ہوگیا اخروٹ سے اور دماغ خالی ہوگیا تکبر کی پوٹ سے۔

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستارِ فضیلت گم ہو دستارِ محبت میں

اگر علماء اپنی دستارِ فضیلت کو اللہ والوں کی جوتیوں میں ڈال دیں، کچھ دن نفس کو مٹالیں تو واللہ کہتا ہوں دس سال جو درسِ نظامی پڑھا ہے اس کے بعد ان کی تقریر میں وہ اثر نہیں آسکتا جو سال، چھ مہینے، چالیس دن کسی ولی اللہ کے ہاں اس طرح رہنے سے آجائے گا کہ خانقاہ سے ایک سیکنڈ کو بھی باہر نہ نکلیں، کھانا اندر منگالیں، مخلوق نظر ہی نہ آئے بس اللہ ہی اللہ نظر آئے، ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہیں اور کسی سے زیادہ بات چیت بھی نہ کریں، بس شیخ کی صحبت میں رہیں، کتب بینی کریں، بزرگوں کے ملفوظات و مواعظ دیکھیں، ذکر کریں اور خاموش بیٹھے رہیں۔

ایمان کا تحفظ صحبت اہل اللہ کے بغیر ناممکن ہے

جنھوں نے اللہ والوں کی جوتیوں میں اپنے نفس کو مٹایا، خدائے تعالیٰ نے ان کی تقریر میں، تحریر میں، ہر بات میں اثر رکھ دیا۔ مولانا گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی اور حکیم الامت کو کیا ہو گیا تھا کہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے حالانکہ یہ خود بہت بڑے عالم تھے، کم علم نہیں تھا ان کا۔ دوستو! اسی لیے کہتا ہوں کہ شیطان بہت بڑا عابد بھی تھا اور بہت بڑا عالم بھی تھا لیکن شیطان دو طبقوں کو سبق دے گیا، ایک عابدوں کو کہ عابدو! عبادت کا نشہ تم کو اللہ سے مردود کرسکتا ہے اور ایک سبق عالموں کو دے گیا کہ عالمو! علم کا نشہ بھی تم کو اللہ سے مردود کرسکتا ہے، کیونکہ شیطان کا علم سب سے زیادہ تھا، شیطان بہت بڑا عالم تھا اور اب بھی ہے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ ہم کو تو اپنے نبی ہی کی ساری شریعت یاد نہیں اور اس کو تمام نبیوں کی شریعت یاد ہے کیونکہ اس نے ہر نبی کا زمانہ دیکھا ہوا ہے۔ اس لیے بڑے بڑے علماء کو اس نے پٹک دیا۔

امام فخر الدین رازی کے انتقال کے وقت شیطان آیا اور توحید پر اِشکال قائم کرنے لگا، امام فخر الدین رازی نے توحید پر ننانوے دلائل دیئے لیکن

شیطان نے سب کی کاٹ کردی، ان کے سارے دلائل کو اپنے دلائل سے رد کردیا، آخر کاران کے شیخ سلطان نجم الدین کبریٰ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت سے مطلع فرمادیا، وہ اس وقت وضو کر رہے تھے، انہوں نے وضو کا لوٹا پھینکا اور کہا اے فخر الدین رازی! شیطان سے مت بحث کر، اس سے کہہ دے کہ میں بِلا دلیل اللہ کو ایک مانتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے شیخ کی آواز امام رازی کے کانوں تک پہنچادی اور انہوں نے شیطان سے کہا کہ میں بے دلیل خدا کو ایک مانتا ہوں تب جا کر ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا، شیخ کا تعلق اور شیخ کی دعا کام آئی۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے اپنی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، اس سے بحث کرنے کو نہیں فرمایا۔

شیطانی وَساوِس کا علاج

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ﴾

(سورۃُ الاعراف، اٰیۃ: ۲۰۰)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان کی مثال اس کتے کی طرح ہے جو بڑے لوگ پالتے ہیں، جب آپ ان کے گھر کی گھنٹی بجاتے ہیں تو ان کا کتا بھونکتا ہے لیکن آپ اس کے بھونکنے کا جواب نہیں دیتے بلکہ گھنٹی بجاتے ہیں یا کتے کے مالک کو آواز دیتے ہیں کہ میں آپ کے بنگلے میں آنا چاہتا ہوں، کتے کے مالک کے پاس کتے کے لیے خاص کوڈ ورڈ، خاص الفاظ ہوتے ہیں، وہ اس کوڈ ورڈ میں کتے کو حکم دیتا ہے اور کتا بھونکنا چھوڑ کر دم ہلانے لگتا ہے، تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں بڑے لوگوں کے کتے کو اگر جواب دو گے تو وہ اور بھونکے گا، اس کے مالک سے رابطہ قائم کرو تو وہ اس کو خاموش کردے گا، اسی طرح شیطان اللہ کا کتا ہے فَاِنَّ الشَّیۡطَانَ کَالۡکَلۡبِ الۡوَاقِفِ عَلَی الۡبَابِ شیطان گیٹ والے کتے کی طرح ہے جو اللہ کے دربار کے باہر کھڑا ہوا ہے، دربارِ الٰہی کا مردود ہے اس لیے دربار سے باہر ہے، اب جو

دربار میں جانا چاہتا ہے اس کے وسوسہ ڈالے گا، اگر آپ نے اس کے وسوسے کا جواب دینا شروع کیا تو بس پھر خیریت نہیں ہے، جواب دیتے دیتے آپ کو پاگل کردے گا، تم کچھ کہو گے وہ بھی کچھ کہے گا، اس سے نجات نہیں ملے گی لہٰذا اللہ تعالیٰ کی گھنٹی بجاؤ، وہ کون سی گھنٹی ہے **اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم** اے اللہ! میں اس مردود شیطان سے پناہ چاہتا ہوں، ان شاء اللہ اس کلمہ کی برکت سے فوراً اللہ کی مدد آئے گی اور شیطان دم ہلانے لگے گا۔ ایک کلمہ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ اس کے پڑھنے سے وسوسے ختم ہوجاتے ہیں، وہ کلمہ یہ ہے:

﴿اٰمَنْتُ بِاللہِ وَرُسُلِہٖ﴾

(مسند احمد، مسند ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)

ایمان لایا میں اللہ پر اور اس کے نبیوں پر۔

تو شیطان کو تکبر کا نشہ تھا اس کا کوئی مربی نہیں تھا، آج بھی یہی حالت ہے کہ اگر کسی سے تربیت نہ کرائی، کسی شیخ کی خدمت میں زندگی نہیں گذاری، کسی شیخ سے بیعت نہیں کی اور خود مربی بن گیا، تربیت کا کام شروع کردیا تو کیا حال ہوگا؟ سب کو ہلاک کرے گا لہٰذا کسی سے تعلق کرنے سے پہلے کم سے کم یہ تو دیکھو کہ اس نے کس شیخ سے اپنی تربیت کرائی ہے، پہلے یہ خود مربہ بنا ہے یا ویسے ہی مربی بن گیا اور پھر اس کے شیخ کا کون شیخ ہے، اس کا پورا روحانی نسب نامہ دیکھو جیسے شادی بیاہ کرتے وقت نسب دیکھتے ہو کہ نہیں کہ اس کا خاندان کون سا ہے اسی طرح اگر آپ اللہ تعالیٰ کا تعلق چاہتے ہیں، ایمان، یقین اور اپنے دل کو اللہ والا بنانا چاہتے ہیں تو یہاں بھی نسب دیکھ لو کہ جس کو شیخ بنا رہے ہو اس کا سلسلہ کہاں سے ملتا ہے، اس نے خود کسی سے تربیت کرائی ہے؟ کسی شیخ کی صحبت اٹھائی ہے؟ کیونکہ تکبر کا نشہ اہل اللہ سے علاج کرائے بغیر نہیں اترتا۔

دیکھئے! مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خادمِ خاص شاہ غلام علی صاحب کتنے بڑے شیخ تھے، حضرت شاہ غلام علی صاحب کے خلیفہ مولانا

خالد کُردی تھے جو شام میں رہتے تھے، علامہ شامی ابن عابدین اور تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ آلوسی ان کے مرید ہیں۔ شاہ غلام علی صاحب ایک دن اپنے شیخ مرزا مظہر جانِ جاناں کو پنکھا جھل رہے تھے، شیخ نے فرمایا ارے غلام علی تیرے ہاتھ میں جان نہیں ہے، اب بہت تیز جھلنے لگے تو فرمایا غلام علی اُڑا دے گا کیا، ان کے منہ سے اتنا نکل گیا کہ کسی حالت میں چین نہیں ہے، نہ یوں بنے ہے نہ یوں بنے ہے یعنی آہستہ جھلوں تو کہتے ہیں ہاتھ میں جان نہیں، تیز جھلوں تو کہتے ہیں کیا اڑا دے گا، بس شیخ ناراض ہو گئے، یہ راستہ بہت نازک ہے، غرض شیخ بہت دن تک ناراض رہے، شاہ غلام علی صاحب بہت رویا کرتے تھے، اخیر میں ان کے چہرے سے اور حالات سے پتا چل گیا کہ کبر ٹوٹ گیا، نشۂ خودرائی نکل گیا تو معافی ہو گئی، اسی لیے روحانی امراض کا شیخ سے علاج کرانا پڑتا ہے۔

مولانا مسیح اللہ خان صاحب نے لاہور کے اجتماع میں جو سبق دیا بس تمام تقریر کا خلاصہ یہی ہے کہ تکبر کا نشہ نہ آنے دو۔ روحانی بیماریاں دو ہی تو ہیں، ایک باہی ایک جاہی، باہی سے مراد بدنگاہی، شہوت، نفسانی خواہشات اور جاہی سے مراد عجب اور تکبر ہے اور تکبر کا مرض خواہشاتِ نفسانیہ سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ شہوت اور نفسانی خواہشات سے تو آدمی اپنے کو حقیر سمجھتا ہے لہٰذا اس سے جلد توبہ نصیب ہو جاتی ہے لیکن کبر کا نشہ بڑی مشکل سے جاتا ہے، شیخ کی خدمت میں پڑا رہے، خوب ڈانٹ ڈپٹ کھائے، کم سے کم چالیس دن کسی اللہ والے کے پاس لگا لے ان شاء اللہ تعالیٰ حالات بدل جائیں گے، صاحبِ نسبت ہو جائے گا، دل خود کہہ دے گا کہ کوئی چیز آ گئی اور بزبانِ حال خواجہ صاحب کی طرح اپنے شیخ کو خطاب کر کے کہے گا۔

تو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کر دیا
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

بس چند دن کی مشقت ہے زیادہ نہیں ہے

سر شکستہ نیست، ایں سر را مبند
یک دو روزے جہد کن، باقی بخند

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

پہنچنے میں ہوگی جو بے حد مشقت
تو راحت بھی کیا انتہائی نہ ہوگی

اللہ والا بننے کانسخہ

جس دن ہر گناہ سے چھٹکارا مل جائے گا، جتنے کانٹے ہیں سب نکل جائیں گے اس دن معلوم ہوگا کہ دنیا ہی میں جنت مل گئی، مجاہدہ زیادہ دن کا نہیں ہوتا، کچھ دن کے بعد ہلکا ہوتا چلا جاتا ہے، اس کے برعکس بد پرہیزی کرنے سے اور آنکھوں کو خراب کرنے سے چین حاصل کرنے کا تصور پاگل پن اور حماقت ہے، اس کی نحوست سے دنیا بھی تلخ اور آخرت بھی تلخ، نہ دنیا میں چین نہ آخرت میں چین، بس سمجھ لو مجاہدہ چند دن کی بات ہے مگر یہ سودا بہت ہی سستا ہے، تھوڑا سا غم اٹھا لے، اللہ کے لیے ہمت کر لے، پھر چند دن کے بعد مجاہدہ بھی ہلکا ہوجاتا ہے، آج جو نظر بچانا مشکل ہے چند دن کے بعد وہ نظر بچانا بھی صالحین کے ماحول میں آسان ہوجاتا ہے اور آہستہ آہستہ وہ صاحبِ نسبت اور اللہ والا ہوجاتا ہے، خدائے تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے اور گناہ سے مانوسیت ختم ہوتی چلی جاتی ہے اور ذرا سی غلطی سے دل میں پریشانی اور بے چینی پیدا ہوجاتی ہے جیسے کوئی شخص جلتا ہوا سگریٹ لگا دے تو اس وقت یہ کوئی نہیں کہتا کہ ڈرو مت یہ تو چھوٹی سی چنگاری ہے بڑی آگ نہیں ہے مگر آپ اس سے بھی ڈرتے ہیں، دوستو! اسی طرح گناہ چھوٹا ہو یا بڑا، اللہ تعالیٰ کی تھوڑی ناراضگی بھی بڑی ناراضگی ہے۔ یہ اس لیے عرض کر دیا کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ چھوٹا گناہ ہے یا بڑا، صغیرہ گناہ ہے یا کبیرہ؟ بتائیے! سگریٹ کی چھوٹی چنگاری کیا کم خطرناک ہے؟

بس حضرت حکیم الامت کا تین سطر کا ایک ملفوظ میری تقریر کا خلاصہ ہے، میری یہ ساری تقریر حضرت کے متن کی شرح ہے، حضرت نے فرمایا کہ تم شریعت پر چل کر دیکھو ان شاء اللہ سب تمہاری عزت کریں گے جس کی بیّن دلیل یہ ہے کہ جو پکے مسلمان ہیں، انگریز، ہندو پارسی وغیرہ سب ان کی عزت کرتے ہیں، تم دین پر قائم رہو ساری قومیں تمہاری غلام بن جائیں گی، تو حضرت حکیم الامت کا یہ ملفوظ میری ساری تقریر کا خلاصہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، یا اللہ! اپنی رحمت سے ہم سب کو اپنی ذاتِ پاک کو راضی کرنے کی توفیق نصیب فرمادے اور اپنی ناراضگی سے بچنے کی توفیق نصیب فرمادیجئے، یا اللہ! شہوت کا نشہ ہو یا کبر کا نشہ ہو، بڑائی کا نشہ ہو یا خواہشات کا نشہ ہو ہر قسم کے نشہ کو اتار کر اے اللہ ہم کو نفس وشیطان کی غلامی سے نکال کر اپنی سو فیصد فرماں برداری نصیب فرمادے، اے اللہ! ہماری دنیا بھی عافیت کی بنادیجئے اور آخرت بھی عافیت کی بنا دیجئے، ہم سب کو نسبت کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمایئے، نسبت کے تین درجے اے خدا تیرے ایک مقبول بندے مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی نے لاہور میں بیان فرمائے کہ بعض لوگوں کو اللہ سے تعلق تو ہے مگر اس کا نام نسبتِ ضعیف ہے، دوسرا درجہ نسبتِ قوی اور تیسرا درجہ ہے نسبتِ اقویٰ، تو ضعیف، قوی اور اقویٰ تین درجے ہوگئے، تو میرے اللہ اپنی رحمت سے، اپنے کریم ہونے کے صدقے میں ہم سب کی ضعیف نسبت کو قوی کردے اور جن کی نسبت قوی ہے اس کو اقویٰ کردے یعنی جو سب سے بڑی نسبت ہے، جو اولیاء صدیقین کو عطا ہوتی ہے، وہ نسبت ہمیں عطا فرمادے، آمین۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ محمد و اٰلہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ